دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد الحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
مغربی پاکستان

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم - ۴ فون نمبر رہائش - ۲

جلد : ۶

شمارہ : ۱۰

جمادی الاولیٰ - ۱۳۹۱ھ

جولائی - ۱۹۷۱ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر —— سمیع الحق

اس شمارہ میں

★

بدل اشتراک

مغربی اور مشرقی پاکستان سے سالانہ ۸/ روپے، فی پرچہ ۷۰ پیسے

غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ، غیر ممالک ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

۲۸ر جون کی شام کو پوری قوم صدر یحییٰ صاحب کی تقریر کیلئے گوش بر آواز تھی، صدر کی تقریر موجودہ حالات میں بہت حد تک جاندار اور سیاسی تعطّل میں ارتعاش پیدا کرنے والی تھی۔ اکثر لیڈروں کا فوری ردِ عمل اظہار اطمینان تھا اور اس میں شک نہیں کہ مشروط غیر ملکی امداد کے بارہ میں خود دارانہ رویہ، نظریہ پاکستان اور اسلامی آئین سے وفاداری کا عہد، بھارت کے مذموم ارادوں کے سامنے عشقِ نبوی سے سرشار ہو کر ڈٹے رہنے کا عزم بحالیٔ جمہوریت و انتقالِ اقتدار کے راستے پر گامزن رہنے کے عہد کی تجدید۔ یہ سب باتیں سراہنے کے قابل تھیں مگر ہمارے خیال میں تقریر کا اہم اور بنیادی حصہ وہی ہے جس کا تعلق آئین کے لئے نئے طریق کار سے ہے۔

آئین کسی قوم کی اخلاقی سماجی معاشی اور معاشرتی زندگی کا سرچشمہ اور کسی قوم کی تشکیل اور عروج و ارتقاء میں اس کا حصہ ریڑھ کی ہڈی بلکہ روح جیسا ہوتا ہے اس لئے آئین سے متعلق کوئی اقدام پوری قوم کی نظری و فکری قوتوں کا محور ہونا چاہیئے اور آئین کا نام آتے ہی پوری قوم کے دل کی دھڑکن تیز ہونی چاہیئے کہ ع عشق است و ہزار بدگمانی ـــــ آئین کے موجودہ منصوبے نے ہمارے ان خدشات کو ثابت کر دکھایا کہ قوم کی اکثریت کا موجودہ جمہوری مزاج ایسے نازک ترین کام کا متحمل نہیں نہ تو وہ جذبات اور پُر فریب تصورات سے ہٹ کر صحیح پارلیمنٹ کا انتخاب کر سکتی ہے۔ نہ موجودہ شکل میں منتخب پارلیمنٹ خلوص، للہیت سے کام لیکر اسلامی تقاضوں اور ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی اسلامی آئین ملک کو دے سکتی ہے۔

اسلامی آئین کی تشریح اور آئین سازی کو تو چھوڑئیے جس کا حق مخلوق کے خالق نے کسی کو دیا ہی نہیں کہ خلق کے ساتھ امر کا رشتہ بھی اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے ـــــ جدید تقاضوں کے مطابق آئین کی تشریح و تعبیر اور تدوین و تشخیص بھی اتنا معمولی کام نہیں جسے "جمہوریت" کی پیداوار ایک ایسی پارلیمنٹ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے جس کی اکثریت کی دین سے وفاداری تو کیا ملک و ملت سے "وفاداری" کا مسئلہ بھی پوری قوم کیلئے المناک بحران کا سبب بن جائے۔

★ ★

ایسے حالات میں کسی مسلمان قوم کا خدا ترس اور غیور حکمران اگر کرنا چاہے تو یہی صورت ہے کہ تمام تعصبات اور اختلافات سے بے نیاز ہو کر اللہ کے بھیجے ہوئے دین اسلام کو جو سراپا عدل و انصاف اور ابدی فلاح و سعادت کا موجودہ دنیا میں واحد کفیل ہے، ایک آرڈیننس کے ذریعہ نافذ کر دے، موجودہ دور میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نمائندگی، انتخابات، اور اس کے لئے بنیادی رہنما اصول، ملک کی بقاء کی خاطر جمہوریت کا تعطل اور بالآخر فوجی آپریشن، معاشی بحران کی وجہ سے کرنسی نوٹوں کی تنسیخ کا حکم، یہ سب ایسے فیصلے ہیں جو قوم کی پسند ناپسند کے مرہون نہیں ہوتے بلکہ حالات کا تقاضا اور پوری قوم کیلئے واجب العمل بن جاتے ہیں۔

یہی صورت ہمارے اہم اور بنیادی مسئلہ آئین کی بھی ہے۔ اگر اس کے بارہ میں ہمارا طرزِ عمل یورپی قوم جیسا نہ ہوتا تو اب تک ہماری قومی زندگی کا بہترین حصہ ضائع نہ ہوتا۔ یورپ جو آئین کے معاملہ میں کسی آسمانی مذہب یا اخلاقی اور روحانی قدروں کا پابند نہیں۔ وہ اگر چاہے تو لواطت اور زنا کو بھی قانونی شکل دے کر تالیاں پیٹے، پارلیمنٹ کی خاتون لیڈر کھلے ایوان میں ناجائز حمل سے بھرے پیٹ کو لیکر اعلان کرے کہ اخلاق کا تعلق نجی زندگی سے ہے اس کا تعلق سیاسی زندگی سے کچھ بھی نہیں۔ تو اسے زیب دیتا ہے کہ آئین سازی کا کام انسانوں کے منتخب کسی ادارہ پر چھوڑ دے۔ مگر جو قوم مسلمان کہلائے اس کے پاس تو بنا بنایا قانون کتاب و سنت اور اس کے متعلقات کی شکل میں موجود ہے جس پر فیصلہ اور عملدرآمد اسلام کی شرطِ اولین ہے۔ ایسی قوم کو کب جائز ہے کہ خود "آئین سازی" کا دعویدار بن کر مغرب کے نقشِ قدم پر آئین جیسی مقدس آسمانی امانت کو بازیچۂ ہوائے و ہوس بنا دے۔ ہاں معاملہ آئین دانی اور پھر اس کی روشنی میں جدید حوادث و نوازل اور حالات اور تقاضوں کے مطابق قانون سازی کا ہے جس کے لئے اگر قوم چاہتی تو بہترین صلاحیت کے رجال کار منتخب کر کے ملک و ملت کی گاڑی ہلاکت اور بربادی کی دلدل سے نکال دیتی مگر صد حیف کہ وہ موقع بھی ضائع کر دیا گیا اور تیر کمان سے نکل چکا ہے اور شاید مجموعی قوم کی غیرت ملی کے جنازہ کو کندھا دینے کے لئے غیر مسلم افراد ہی آگے بڑھنے لگ جائیں یہ مکافاتِ عمل ہے اور قدرت کی طرف سے تازیانہ۔

★ ★

ایسے حالات میں آئین کیلئے کمیٹی کا تقرر اور نیا طریق کار کافی حد تک غنیمت ہے بشرطیکہ چند امور کا خاص خیال رکھا جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسے نازک اور اجتماعی کام کیلئے صدر محترم

کی کوششیں جتنی بھی بے لوث اور مخلصانہ کیوں نہ ہوں ایک عادلانہ اسلامی آئین کے سلسلہ میں تب بار آور ہوسکتی ہیں کہ آئین کی تدوین وتشکیل کیلئے صحیح اور اہل رجال کار کا انتخاب کیا جائے کوئی ادارہ ہزار نیک نیتی خلوص اور پاکیزگیٔ مقصد کے باوجود اہل افراد کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا گو ہمیں اب تک یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ آئین کمیٹی میں کن لوگوں کو لیا گیا ہے۔ ؟ مگر اسلامی آئین کے تحفظ و اہمیّت کے بارہ میں جناب صدر کی بار بار یقین دہانیوں کو دیکھتے ہوئے غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے نہایت احتیاط سے کام لیا ہوگا، اور پچھلے ۲۳ سال کے مختلف آئینی بورڈوں اور کمیشنوں کے عبرتناک انجام کو نگاہ میں رکھا ہوگا جو اسلام کے بارہ میں خام خیالی اور تجدّد زدگی کی وجہ سے الحاد وتحریف کی رو میں بہہ کر حکومت اور رعایا کے درمیان نفرت اور بعد کا سبب بنے اور بدقسمتی سے اسلامی قانون کی سمت قوم کا ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کا بنیادی سبب اگر تھا تو یہی کہ ایسے کمیشنوں کے ارکان کو وہ صلاحیت، استعداد اور اخلاص میسّر نہ ہوسکی تھی جو کتاب وسنّت کے مطابق آئین سازی کے لئے ضروری تھی نہ وہ اسلامی شریعت کے مزاج کے واقف تھے نہ اسلام کی معاشرتی اور سماجی حکمتوں پر اُن کی نظر تھی اور نہ ان کا کردار و عمل اس پیمانے پر پورا اترتا تھا۔ نتیجۃً وہ قوم کے دینی احساس، گرویدگی اور اسلام سے لگن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے نئے زمانہ کی رو میں بہہ گئے اور اسلام کو ماڈرن شکل میں پیش کرنے میں روشن خیالی اور ترقی کا معیار سمجھنے لگے۔ فطری طور پر قوم کے باشعور اور دیندار طبقہ نے اسے مسترد کردیا اور قوم کے اجتماعی معدہ نے ان سب چیزوں کو قے کردیا ــــــ پچھلے طویل عرصہ کا یہ تلخ اور طویل تجربہ صدر صاحب کے سامنے ہے۔ اور وہ یقیناً نہیں چاہتے ہوں گے کہ قومی زندگی کے مزید قیمتی لمحات اس سبق اور تجربہ کے دہرانے میں گنوا دئے جائیں۔

★ ★

اس احساس اور جذبۂ خیر خواہی کی بناء پر چند معروضات آئین کمیٹی کے انتخاب کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں جنکی رعایت ایک قابلِ قبول آئین اور ملت کی بقاء وسلامتی کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے۔

۱۔ ضروری ہے کہ آئین کمیٹی کے تمام افراد اسلامی آئین کو موجودہ تقاضوں اور نئے مسائل کی روشنی میں مدوّن کرنے کی ہر طرح اہلیت رکھتے ہوں اور انہیں اسلامی آئین کی جامعیت، اعتدال اور سراپا عدل وانصاف ہونے کا پختہ یقین ہو۔

۲- اگر ایک طرف وہ عصر حاضر کے مسائل اور جدید علوم و نظریات پر نظر رکھتے ہوں تو دوسری طرف استدلال اور تشریح و تعبیر کی اسلامی حدود اور نزاکتوں سے بھی آگاہ ہوں۔

۳- قرآن و سنت اور اسلامی قانون (فقہ اسلامی) پر انہیں نہ صرف مطالعاتی بلکہ تحقیقی دسترس ہو۔

۴- عصر حاضر کی عملی اور علمی مشکلات کے حل کیلئے وہ دینی بصیرت، فراستِ ایمانی، سلامت فکر، دینی پختگی، ملی غیرت، خدا ترسی، تقویٰ اور جذبۂ خیر خواہی و حق کوشی جیسی صفات سے مالا مال ہوں۔

۵- ان کا کوئی فیصلہ تعصب، تحزب، عناد، جہل، خود غرضی اور خواہشات نفسانی پر مبنی نہ ہو بلکہ اپنے تمام فیصلوں کیلئے اللہ رسول صحابہ تابعین، ائمہ فقہ اور تعامل سلف میں سے کوئی قوی بنیاد اور سند موجود ہو۔

۶- سب سے بڑھ کر یہ کہ مغربی افکار و نظریات اور نئے ازموں سے ان کا ذہن مرعوب نہ ہو تاکہ نہ تو وہ اسلام میں تحریف و ترمیم کی جرأت کر سکیں اور نہ وہ اسلام کو ماڈرن بنانے اور خود بدلنے کی بجائے قرآن بدلنے کے جذبہ سے کام کریں۔

۷- ایک اہم بات یہ کہ ایسے لوگوں کو پاکستان کے نظریاتی پس منظر کا نہ صرف احساس ہو بلکہ انہیں اسلام اور لا الٰہ الا اللہ کے نام پر مسلمانوں کی ان بے مثال قربانیوں سے جذباتی تعلق ہو جو پاکستان کی تشکیل و تعمیر کے نام پر دی گئیں۔ اگر ایسے افراد پاکستان کو کسی سماجی یا معاشی اور جغرافیائی مسئلے کا پیداوار سمجھتے ہوں تو وہ ہرگز کوئی مفید آئین نہیں دے سکیں گے۔

۸- آخری بات یہ کہ تمام ارکان کو اس نازک ترین کام کے تقدس اور عظمت کا نہ صرف لحاظ ہو بلکہ ملک کی صحیح تعمیر اور قوم کی نیا پار لگانے کیلئے وہ اپنے اندر والہانہ وار جذبہ، لگن، عشق اور جوشِ عمل بھی رکھتے ہوں۔

ہمیں پورا احساس ہے کہ پچھلے دورِ غلامی نے قدیم و جدید کی جو دوئی پیدا کی ہے، پھر اپنی ستم کاریوں کی وجہ سے قحط الرجال کی جو صورت پیدا ہو چکی ہے گیٹیں بیک وقت ایسے جامع الصفات افراد کا مہیا ہونا مشکل ہے مگر اس مشکل کو قدیم و جدید دونوں قسم کے موزوں افراد کے حسین امتزاج ہی سے حل کیا جا سکتا ہے۔ جدید ماہرین قانون کے پہلو بہ پہلو اسلامی علوم و صفات کی حامل شخصیتیں اگر اس کام میں شریک کی جائیں تو پوری قوم کیلئے ایک قابلِ قبول آئین تیار کیا جا سکتا ہے۔ گاڑی کبھی بھی ایک پہیہ سے نہیں چل سکی۔ اس معاملہ میں بے احتیاطی ہمیشہ ہماری مشکلات میں اضافے کا سبب بنتی چلی آرہی ہے۔

وہ حقیقی اسلامی آئین کی تدوین اور اس کے قابلِ عمل ہونے کی بات تو یہ اب ایک ایسی

کھلی حقیقت بن چکی ہے جس سے انکار سوائے عناد، ہٹ دھرمی اور اسلام کے بارہ میں کافرانہ ذہن کا نتیجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ علماء نے مختلف پیرایوں میں اسے بارہا ثابت کیا ہے، جسے ہم کسی دوسری فرصت میں بیان کریں گے۔ مغرب کا کوئی تمدنی اور معاشرتی یا سائینسی وفنی انکشاف وایجاد اسلام کے ابدی اصولوں کو چیلنج نہیں کر سکتا، خرابی ہو گی تو ان طور طریقوں کی ذاتی ہو گی، جنہیں ہمیں یکلخت چھوڑ دینا ہو گا۔ جائز حدود میں کسی ترقی اور استفادہ سے اسلام ہمیں نہیں روکتا۔ اسی طرح اسلامی آئین ہی اس ملک کے واحد ذریعۂ نجات وبقاء ہونے پر بھی تازہ حالات نے مہر ثبت کر دیا ہے اس سلسلہ میں اہل زیغ والحاد اور تجدد زدہ افراد کے اٹھائے ہوئے شبہات پر توجہ دینا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔
ضرورت بس اللہ کا نام لیکر پورے ایمان ویقین اور مؤمنانہ عزم وہمت سے کام کرنے کی ہے پھر دیکھئے فلاح وسعادت کا کیسا ابدی نسخۂ اکسیر ہمارے ہاتھ آتا ہے اور ہماری تمام مصیبتیں کتنی جلد کافور ہوتی ہیں اور اللہ کی مدد کس کس طرح شریکِ حال ہوتی ہے۔

★ ★

آئین کمیٹی کیلئے ضروری ہے کہ تدوین وتشکیل آئین اسلامی کیلئے وہ تمام مفید مواد بھی سامنے رکھے جو پچھلے ۲۳ سال میں اہل حق علماء اور خدا ترس افراد کے بہترین دماغوں نے سفارشات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ قرار داد ومقاصد اور اس دور کی "تعلیمات اسلامیہ بورڈ" کی سفارشات، مختلف مکاتبِ فکر کے متفقہ ۲۲ نکات، تعلیمی اصلاحات کے بارہ میں مختلف رپورٹیں، عائلی رپورٹیں، معاشی اصلاحات کے بارہ میں ہر مکتبِ فکر کے ۱۱۸ علماء کی اصلاحات کا خاکہ یہ سب چیزیں آئین میں بہترین رہنما اصول ثابت ہو سکتی ہیں اس کے علاوہ علماء کی ان مختلف جماعتوں سے بھی اگر آئین کی تدوین وترتیب کے لئے سفارشات طلب کی جائیں جو موجودہ پارلیمنٹ میں سیٹیں حاصل کر چکی ہیں اور جنہیں اسمبلی میں آئین کے بارہ میں رائے اور مشورے کا موقع دینے کا وعدہ کیا گیا ہے تو آئین سازی کا کام بہت حد تک سہل ہو سکتا ہے۔ جمعیۃ العلماء اسلام کی مثال ہمارے سامنے ہے جو ملک کے برگزیدہ علماء ومشائخ کی بہت بڑی جماعت ہے۔ اس جماعت کے بہترین ماہرین اور جید علماء کے ایک بورڈ نے اسمبلی میں پیش کرنے کیلئے ایک آئینی مسودہ تیار کر لیا ہے۔ اگر آئین کمیٹی اس سے بھی استفادہ کرے تو اس جماعت کے منتخب علماء آئندہ اسمبلی میں ترمیم اور اضافہ کی مساعی سے بچ جائیں گے۔
ہماری دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ کمیٹی کے صحیح انتخاب اور آئین کی تیاری میں موجودہ حکومت کی دستگیری فرمائے اور قوم موجودہ غیر یقینی بحرانی کیفیت سے نکل کر یقین واطمینان اور عزم وعمل کی دولتوں سے سرشار ہو۔

وما ذلک علی اللہ العزیز۔　　واللہ یقول الحق وھو یہدی السبیل۔

* *

یادِ رفتگاں ٹھیڑی سندھ کے جواں سال عالم مولانا قاضی فضل اللہ مرحوم اور ضلع جھنگ کے باہمت عالم مولانا دوست محمد صاحب کا دن دہاڑے قتل پوری قوم کیلئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ علماء حق کے خون سے بڑھ کر اللہ کی بارگاہ میں کوئی مقدس چیز نہیں اگر حکومت اور پوری قوم نے سر جوڑ کر ایسے المناک اقدامات کی تلافی اور تدارک کا فکر نہ کیا تو خطرہ ہے کہ سنت اللہ کے مطابق شہیدوں کا یہ خون رنگ لاکر پوری قوم کو عذابِ خداوندی میں مبتلا نہ کر دے۔ ادارہ مرحومین کے رفع درجات اور پسماندگان کے صبر جمیل کے لئے دست بدعا ہے اور اس غم میں برابر کا شریک۔

مرشد زادہ، استاذ زادۂ محترم مولانا حافظ حمید اللہ صاحب ابن مولانا احمد علی لاہوری، جواں سالی میں پچھلے دنوں انتقال فرما گئے۔ خاندانِ لاہوریؒ کا گل سر سبد یکایک ہم سے جدا ہو گیا۔ حق تعالیٰ رفیقِ اعلیٰ سے نوازے اور پورے خاندان کو صبر جمیل نصیب ہو۔

ملتان کے مولانا خدا بخش مرحوم ممتاز عالم خدا ترس بزرگ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے خاص متوسلین میں سے تھے پچھلے دنوں ان کا انتقال ہوا۔ حق تعالیٰ مرحوم کو مقاماتِ قرب سے نوازے۔

دار العلوم حقانیہ کی مجلسِ شوریٰ کے پرجوش اور مخلص رکن جناب کرنل عثمان شاہ صاحب (نوشہرہ) ۲۶ر جون کو یکایک حرکتِ قلب بند ہونے سے ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ دار العلوم کی ترقی و تعاون کے لئے ان کی کوششیں بے حد قابلِ تحسین تھیں۔ عجیب صفات کے مالک تھے۔ حق تعالیٰ انہیں بھی رضوان و مغفرت سے نوازے۔ رحمھم اللہ تعالیٰ وایانا ھم۔

مدینہ منورہ سے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے برادرِ اصغر حضرت مولانا سید محمود صاحب کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع علمی و دینی حلقوں کے لئے رنجدہ ہے شیخ مدنی کے والد بزرگوار نے جس قافلۂ شوق کے ساتھ دیارِ حبیبؐ میں بسیرا کیا تھا حضرت سید محمودؒ اس کے آخری نشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے ساتھ دنیا کے مناصب اور مفاخر سے بھی نوازا تھا۔ اعلیٰ صفات کے مالک تھے، حق تعالیٰ اپنے مثالی خاندان کے زمرۂ صالحین میں شمار کرا دے اور درجاتِ عالیہ نصیب ہوں۔ الحق اور دار العلوم حقانیہ حضرت مرحوم کے تمام خاندان، بالخصوص صاحبزادہ مولانا محمد اسعد مدنی اور مولانا محمد ارشد مدنی دیوبند کے ساتھ اس غم میں شریک ہے۔

سمیع الحق

ضبط و ترتیب
ابو حامد - ادارۃ الحق

ارشادات حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

تیسری قسط

اب جتنا بھی اللہ کیلئے کام کرے گا بندگی کرے گا۔ حق تعالیٰ کی معرفت اور پہچان بڑھ جائیگی اور جتنی پہچان بڑھتی جائے گی قربِ خداوندی نصیب ہوتا جائے گا، ایمانی زندگی میں فقط عقیدہ تھا کہ مالک الملک ایک ہے مگر اللہ کی رضا کیلئے کام کرتے کرتے فقط علم نہیں رہے گا۔ جان پہچان ہو جائیگی اور اب منشاء کی پابندی کرنے لگے گا۔ اب تک تو قانون کی پابندی کر رہا تھا ۔ حکم ہوا، نماز پڑھ لے۔ کہا بہت اچھا۔ حلال اختیار کرو، حرام چھوڑ دو، کہا بہت اچھا۔ رشوت مت لو، بہت اچھا، جھوٹ مت بول کہا بہت اچھا ۔۔۔ تو جتنے احکام تھے ان کی پابندی کا نام تھا ایمان اور اسلام کہ خدا کے قانون کے نیچے زندگی بسر کرے۔ یہ تھی ایمانی زندگی۔ لیکن ایک مرتبہ زندگی کا اس سے بھی اوپر تھا اور وہ یہ کہ قانون کی پابندی کرتے کرتے آخر میں قانون ساز کے منشاء کی پابندی کرنے لگتا ہے اور قانون سے بالاتر ہو کر عمل کرتا ہے۔

قانون تو یہ ہے مثلاً کہ کسی محبوب نے امر کیا کہ بھئی اپنے باغ سے ہمیں پھول دیدو اور تم نے بھی کو پھول پہنچا دیا۔ اور قانون سے بالاتر منشاء کی پابندی یہ ہے کہ سارا باغ ہی اس کے سپرد کر دیا محبوب کو کہ پھول کیا ہے، سارا باغ ہی حاضر ہے۔ اللہ نے مانگا کہ جو روٹی کھاتے ہو اس میں سے تھوڑا سا حصہ اللہ کے نام پر بھی دیدو۔ تو منشاء کی پابندی یہ ہے کہ سارا کھانا ہی اٹھا کر اللہ کے نام پر دے دیا۔ خود روزہ رکھ لیا ۔۔۔ تو انسان ایسا جب کرے گا کہ حاکم کے سامنے موجود ہو، جب سامنے موجود ہو گا تو حکم کا انتظار نہ ہو گا بلکہ وہ تو اسی کی نگاہ و ابرو کو پہچان کر عمل کرے گا۔ اس کی منشاء اسکی پیشانی سے معلوم ہو جائے گی کہ یہ چاہتا ہے یا نہیں ۔۔۔ اورنگ زیبؒ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ان کا

جو کمانڈر انچیف تھا، اس نے تیاری شروع کر دی، سامان رسد فوجوں کی تیاری۔ اور ان کے کانوں میں پھونک دیا کہ دکن پہ جانا ہے، تیار رہو تو کسی نے کمانڈر سے کہا کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے۔؟ کہا نہیں بلکہ ایک دفعہ اورنگ زیب تخت پہ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں کھڑا تھا، تو مجلس میں دکن کا جو ذکر آیا تو بادشاہ نے نہایت تیز نگاہوں سے دکن کی طرف دیکھا، میں سمجھ گیا کہ دکن سے اس کے دل میں زنگ ہے تو ابھی حکم تو نہیں، ضابطہ میں تو تب ہو گا مگر منشاء میں نے پا لیا ہے اورنگ زیبؒ کا ــــ تو اگر یہ عالمگیرؒ سے دور ہوتا تب تو انتظار کرتا کہ قانونی حکم پہنچے اور سامنے کھڑا تھا تو اس کی نگاہ اور پیشانی سے پہچان گیا۔ تو منشاء کی پابندی کرنا گویا پہچان پہ عمل کرنا ہے۔ اس کو کہتے ہیں معرفت اور عرفان۔ اور ایک ہے علم اور اعتقاد جو غائبانہ ہوتا ہے۔ اور ایک یہ کہ اللہ کو رسول کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب قانون کا انتظار نہیں اب تو نگاہ وابرو ہی مقصد بتلا دے گی اس کو معرفت کی زندگی کہتے ہیں۔ اور ہم اس کا نام رکھیں گے عرفانی زندگی ــــ

ایرانی شہزادے کا ایک واقعہ میں نے دیکھا کہ اس کے پاس بادشاہ ہندوستان مہمان ہوا۔ انہیں ضرورت پڑی لیموں کی، شہزادۂ ایران کے باغ میں کھٹے لیموں تھے، خادم اجازت لینے آئے وہ سن کر منغض سے ہو گئے۔ ترشروئی سے دیکھا۔ اس نے باہر آ کر کہا کہ اجازت مل گئی، لیموں توڑو۔ کہا بیوقوف اجازت کہاں ملی وہ تو کچھ نہیں بولے۔ اس نے کہا کہ جب شہزادہ نے ترش نگاہوں سے دیکھا تو سمجھ گئے کھٹے لیموں کی اجازت دیدی گئی، تو پاس رہنے والے منشاء اور طبیعت میں اتنا دخل پا لیتے ہیں خواہ لفظ سامنے نہ ہوں ــــ تو انبیاء اور اولیاء جو معرفت خداوندی حاصل کر لیتے ہیں وہ اپنے ذوق سے ان چیزوں کو پا لیتے ہیں جو منشاء خداوندی ہوتے ہیں حالانکہ حکم ابھی نہیں ہوتا۔ اور بہت سے اہل اللہ اور اولیاء کاملین کے قلب پہ جو واردات ہوتے ہیں ان واردات سے ان کو منشاء خداوندی معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ قانون نہیں ہوتا شریعت کا تو اسکی تبلیغ تو نہیں کرتے مگر خود وہ کرنے پر پابند ہیں کیونکہ انہوں نے منشاء کو دیکھ لیا۔

حضرت حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہ العزیز جو دارالعلوم کی جماعت کے شیخ ہیں وہ مکہ معظمہ ہجرت کر کے گئے تو عمر بھر سیاہ رنگ کا جوتا نہ پہنا۔ لوگوں نے کہا کہ شرعاً ناجائز ہے۔؟ فرمایا نہیں، پوچھا کیوں نہیں پہنتے، فرمایا بیت اللہ کا غلاف سیاہ رنگ کا ہے، مجھے بے ادبی معلوم ہوئی کہ اس رنگ کو قدموں میں استعمال کیا جائے۔ یہ محض ایک ذوق اور منشاء کی بات تھی۔ تو ادبی ذوق کے اندر بعض دفعہ آدمی وہ چیزیں کرتا ہے کہ قانون میں نہیں ہوتیں مگر اس کا ذوق کہتا ہے کہ مجھے اس طرز عمل پہ

جاتا ہے اس کو کہتے ہیں عرفانی زندگی ــــ تو اولیار کاملین کی زندگی عرفانی رہتی ہے۔ کہ محض جائز و ناجائز ہی نہیں بلکہ جائز کے اندر بھی دیکھتے ہیں کہ منشار اگر یہ ہو کہ کم سے کم کھاؤں تو ایسا کروں اور اگر یہ ہو کہ بالکل نہ کھاؤں تو میں فاقہ کو ناگوارا کروں ــــ اور حضرات صحابہؓ اور حضرات اہل اللہ جو فقر و فاقہ کو پسند کرتے ہیں تو شریعت نے یہ حکم نہیں دیا، مگر بہت سے اولیار کی زندگی ہے، جیسے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کہ ایک ایک ہفتہ فاقہ کا گذرتا تو یہ شرعی حکم نہیں تھا مگر شریعت بھیجنے والے کا منشار ان کے حق میں یہی تھا کہ جب زیادہ سے زیادہ زہد بڑھ جائے تو زیادہ سے زیادہ درجات بلند ہوں گے۔

حضرت شاہ ابوالعالیؒ کو فاقہ سے بڑی محبت تھی اور دو دو ہفتے فاقے ہوتے تھے اور وہ ارادی فاقے ہوتے تھے، یہ نہیں کہ مفلس اور تنگدست تھے، دولت تو ایسے لوگوں کے قدموں میں آکر گرتی ہے ــــ تو شاہ ابوالعالیؒ کے پیر آئے ان کے گھر۔ شاہ صاحب موجود نہیں تھے، تو گھر والوں کو پریشانی ہوئی کہ ہمارے گھر کے جو بڑے ہیں شاہ ابوالعالیؒ ان کے شیخ کی کسطرح خاطر مدارات کریں۔ شیخ سمجھ گئے کہ نہ دانہ ہے نہ پانی۔ تو ایک روپے کا غلہ منگوایا اور ایک تعویذ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ اسے غلہ میں ڈال دو، اللہ برکت دے گا، شیخ ایک ہفتہ ٹھہرے اور روزانہ کھایا اور جب چلے گئے تو وہ غلہ ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ دو تین ہفتے کے بعد شاہ ابوالعالی تشریف لائے تو دیکھا کہ دو دو وقت روٹی پک رہی ہے، انہیں محبت تھی فقر و فاقہ سے، تو فرمایا کہ کیا بات ہے، فاقہ نہیں ہوتا۔ ہمارے پاس تو کچھ تھا نہیں دو وقت کی روٹی کہاں سے آئے گی۔ تو کہا کہ آپ کے شیخ آئے تھے، گھر میں فاقہ تھا، تو انہوں نے خود ایک روپے کا غلہ منگایا اور تعویذ لکھ کر ڈالا، اس کی برکت ہے۔ کہا اچھا تم بڑی گستاخ ہو۔ میرے شیخ کے تعویذ کو غلہ میں ڈال دیا ہے۔ نکال کر لاؤ، میں اسے اپنی قبر میں رکھوں، اُسے لیکر پگڑی میں باندھ لیا اور وہ غلہ اسی دن ختم ہو گیا، اب پھر فقر و فاقہ شروع ہو گیا تو کہیں شریعت کا حکم تھا ہفتہ ہفتہ فاقے کرنے کا۔؟ مگر قانون بنانے والے کا منشار محسوس کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر ہو تاکہ درجات بلند ہوں، روحانیت ترقی کرے۔

نبی کریم کی سیرتِ طیبہ میں آتا ہے کہ دو دو مہینے گذرتے تھے کہ بیتِ نبوت میں دھواں نہیں اٹھتا تھا، کھانے کو ایک ٹکڑا کھجور اور پانی (اسودین) پر گذر ہوتی تھی تو قرآنِ کریم میں تو یہ حکم موجود نہیں تھا کہ آپ دو مہینے بالکل فقر و فاقہ سے رہیں۔ مگر قانون سے بالاتر ہو کہ قانون بھیجنے والے کا منشا آپ کے قلب پہ روشن تھا کہ انبیار کی پاکیزہ زندگی کا یہی تقاضا ہے کہ وہ کھانے پینے اور لذات کی طرف ادنیٰ بھی توجہ نہ دیں وہ توجہ کریں تو حق تعالیٰ کی ذات کی طرف علم و عرفان کی طرف تو یہ قانون ساز کی

منشاء کو پاکر عمل کرنا، اسے معرفت کی یا عرفانی زندگی کہتے ہیں، مگر اسی عرفانی زندگی کا مادہ بھی وہی ہے جو حیوانی زندگی کا تھا وہی کھانا پینا رہنا سہنا وہی سب کچھ اب منشاء خداوندی حاکم بن گئی —— تو حیوانی زندگی میں طبیعت حاکم ہوتی ہے، جو ایک جاہل بادشاہ ہے، جس کے تحت آدمی جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے۔ انسانی زندگی آتی ہے تو عقل حاکم ہو جاتی ہے، اور عقل میں شعور ہوتا ہے۔ تو ذرا سوچ سمجھ کے کھاتا ہے۔ ایمانی زندگی آتی ہے تو وحی کی رہنمائی ہوتی ہے تو عفت اور پاکدامنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عرفانی زندگی جب آجاتی ہے تو منشاء الٰہی حکومت کرتی ہے انسان کے اوپر —— اس وقت انسان کی زندگی نہایت بلند و بالا ہوتی ہے جیساکہ انبیاء اولیاء کاملین اور علماء ربانیین کی زندگی جس کے اندر دنیا ساری موجود ہے مگر حظ نفس کا کوئی گذر نہیں، نفسانیت کا کوئی شائبہ نہیں۔ للہیت کے جذبات کام کرتے ہیں۔ عداوت اور دوستی سب کچھ اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ نفسانی جذبات سے کچھ نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے:

من اعطی للّٰہ و منع للّٰہ واحبّ فی اللّٰہ والبغض للّٰہ فقد استکمل الایمان۔

جس نے محبت کی تو اللہ کے لئے۔ عداوت باندھی تو اللہ کے لئے۔ کسی کو دیا تو اللہ کے لئے۔ ہاتھ روکا تو اللہ کیلئے۔ تو اس نے اپنے ایمان کو کامل کر دیا۔

...

صحابہؓ نے محض منشاء خداوندی اور اسکی رضا حاصل کرنے کیلئے۔ گھر بار لٹا دیا۔ ساری چیزیں وقف کیں وہ قانونِ شریعت سے آگے ہو کر۔ ورنہ حق تو صدقات واجبہ ادا کرنے سے بھی ادا ہو جاتا —— تو گویا عرفانی زندگی بسر کرنے والا گویا اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے، اسے دیکھتا ہے اسے عرفانی زندگی بھی کہیں گے احسانی بھی۔

ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا یہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اس مقام تک نہ پہنچ سکو تو کم از کم یہ کہ اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

یہ ہے اکمل زندگی ——

وحدانی زندگی | اور جب اتنا قریب ہو جائے کہ گویا تمام اعمال محبوب کو دیکھ کر کر رہا ہے تو اب یہ نہیں ہو سکتا کہ صرف دیکھنے پر قناعت کرے، بلکہ چاہتا ہے کہ نہ صرف دیکھوں بلکہ معانقہ کروں گلے لگوں، تو ایک وقت یہ بھی آتا ہے کہ اس معرفت و احسان کے بعد جی چاہتا ہے کہ مصافحہ کر لوں،

مل لوں، حق تعالیٰ سے، اور فرمایا گیا حدیث میں :

لایزال یتقرب عبدی بالنوافل حتی کنت سمعہ اللتی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و ید ہ اللتی یبطش بھا۔

بندہ نوافل پڑھتے پڑھتے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ ...

ظاہری اعضاء اس کے ہوتے ہیں تو نیں میری کام کرتی ہیں۔ یہ گویا وہ مقام ہے کہ گویا اپنے نفس کو مٹا کر ختم کر دیا اور سامنے کر دیا اللہ تعالیٰ کے۔ اور حق تعالیٰ کی ذات اور تجلیات کے اندر غرق ہو گیا — لایزال یتقرب عبدی — الخ جس کو یوں کہنا چاہئے جو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگرے

تو میری جان بن گیا کہ سرایت کئے ہے تو میرے اندر، تو میں بن گیا اور میں تو، وحدت پیدا ہو گئی تاکہ کہنے والا یہ نہ کہے کہ میں کوئی اور ہوں اور تو کوئی اور، اس زندگی کو ہم کہیں گے وحدانی زندگی۔ کہ وحدت پیدا ہو گئی۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ خدا میں غرق ہو کر اس کا جزو بن گیا۔ اللہ تعالیٰ جزئیت سے پاک ہے بلکہ مطلب یہ ہو گا کہ اس نے اپنے نفسانی شہوات کو ختم کر کے جذبات پیدا کر دئے مناسبت مع اللہ کے کہ جو وہ کرتا ہے میں بھی کروں گا، وہ جو چاہے گا میں بھی چاہوں گا۔

کسی بزرگ سے پوچھا تھا کسی نے کہ کیا حال ہے تو کہا کیا حال اس شخص کا ہو سکتا ہے کہ جس کی مرضی پہ دونوں جہاں کے کارخانے چلتے ہوں تو پوچھنے والے نے کہا اچھا آپ اس درجہ کے ہیں کہا ہاں الحمدللہ میں تو اس مقام پہ ہوں، کہا آخر کس طرح کہا اس طرح کہ دونوں جہاں کے کارخانے چلتے ہیں اللہ کی مرضی پر، اور میں نے اپنی مرضی کو فنا کر دیا ہے اللہ کی مرضی میں جو وہ چاہتا ہے وہ میں چاہتا ہوں، اگر کوئی پیدا ہوتا ہے تو کہتا ہوں کہ الحمدللہ یہی بہتر تھا، اگر کوئی مرتا ہے تو الحمدللہ یہی مناسب تھا، میں کون ہوں اللہ کے خلاف رائے دینے والا کہ وہ تو مارے میں کہوں یہ زندہ رہے تو سارا عالم میری مرضی پہ چلنے لگا۔

شاہ دولہ انبالہ ضلع کے ایک بزرگ گذرے ہیں، سائیں توکل شاہ کے سلسلہ میں تھے، گاؤں میں بارش جو ہوتی جمنا کے کنارے گاؤں تھا، جمنا چڑھ گئی، طوفان آیا، ایک دیوار تھی جس کی وجہ

سے پانی کچھ رکا ہُوا تھا۔ اگر وہ دیوار نہ ہوتی تو سارا گاؤں غرق ہو جاتا لوگ بیچارے پریشان ہو کر شاہ دولہ کی خدمت میں آئے کہ حضرت اللہ کے واسطے دعا کریں، طوفان سے گاؤں غرق ہو رہا ہے، فرمایا اچھا طوفان آگیا چلو پھاؤڑا لیکر چلے، مجمع گاؤں والوں کا ساتھ تھا۔ تو جو دیوار تھی شاہ دولہ نے وہ دیوار ڈھانا شروع کر دی، اب تو لوگ چلانے لگے کہ حضرت سارا گاؤں غرق ہوگا۔ فرمایا: جدھر مولیٰ اُدھر شاہ دولہ۔ میں خدا سے مقابلہ کرنے آسکتا ہوں۔؟ تو یہ مقام جب نصیب ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ کی رضا میں فنا کر دے۔ وما تشاؤن الاان یشاء اللہ رب العالمین۔ بس جو اللہ چاہتا ہے وہی تم بھی چاہو اس کے خلاف چاہ نہیں سکتے جس کو وہ مرضی اور پسندیدہ قرار دیں ہم بھی اُسے پسندیدہ قرار دیں تو کہا جائے گا کہ یہ شخص فنائیت کے مقام پر پہنچ گیا۔ فانی فی اللہ ہوگیا، یہ نہیں کہ ایک جزء بن گیا۔ یہ تو جزئیت اور بعضیت آگئی اللہ کی ذات اس سے پاک ہے، فنائیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کے تقاضوں کو ختم کر دے، خدا کی مشیئت میں اپنے آپ کو غرق کر دے کہ جو ان کا منشاء وہ میرا منشاء۔ جدھر مولیٰ ادھر شاہ دولہ۔ اس کو ہم کہیں گے وجدانی زندگی اور یہاں بھی وہی مادہ ہے زندگی کا وہی کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ اوڑھنا پہننا، لیکن وہ اس درجہ پر آگیا کہ قانون سے بالاتر ہو کر محض منشاء کی پابندی میں غرق اور اسکی مرضی کے اندر فانی ہو جاتا ہے، اسی موقعہ پر فرمایا گیا ہے نبی کریم علیہ السلام کے لئے: وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ غزوہ بدر کے اندر آپ نے کنکریاں پھینک کر ماریں، تو جس کے دماغ پر کنکر پڑی وہ دماغ تو گیا پورے بدن کو قلب و جگر کو پھاڑ کر رکھ دیتی اور سارے بدن سے پار ہو کر گذرتی ۔۔۔ تو کنکری میں اتنی طاقت تو نہیں ہوتی لیکن نبی کے اندر جذباتِ حق موجود ہیں، انکی طاقت سے یہ اثر پیدا ہوتا ہے۔ نبی آلہ کار ہوتا ہے اور خدائی قوتیں ان کے اندر کارفرما ہوتی ہیں۔ اسی کو فرمایا قرآن میں ــــــــــــــــ

وما رمیت الآیۃ۔ وہ تو اللہ میاں مار رہا تھا۔ اور جیسے فرمایا گیا: وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ ہمارا پیغمبر ہوائے نفس سے نہیں بولتا وحی سے بولتا ہے تو وحی تو کلامِ خداوندی ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ زبان تمہاری، کلام ہمارا ہوتا ہے، تمہارا ذاتی کلام بھی تمہارا نہیں زبان تمہاری ہے۔ روشنی ہماری ہے اور چراغ تمہارا ہے جس سے گھر روشن ہو جاتا ہے۔ اور جیسے کہ دوسری جگہ فرمایا گیا: ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ اے نبی جو تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ تمہارے ہاتھ پر نہیں اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ ید اللہ فوق ایدیھم۔ اللہ کا ہاتھ سب ہاتھوں کے اوپر ہے۔ تو اس میں وحدت بیان کی گئی ہے، نبی کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا، نبی کے کلام کو اپنا کلام کہا نبی کے منشاء کو اپنا منشا۔ یہ جب پیدا ہوتا ہے کہ وجدانی

زندگی آجائے۔

تو میں نے پانچ زندگیاں آپ کے سامنے پیش کیں، ایک حیوانی زندگی، ایک انسانی، ایک ایمانی، ایک عرفانی اور ایک وجدانی۔ مگر ان پانچ زندگیوں میں جو دو ابتدائی زندگیاں ہیں وہ مبادی اور سبب کے درجے میں ہیں اور آخر کی زندگی ثمرہ کے درجے میں ہے اور بیچ کی زندگی جس کو میں نے ایمانی زندگی کہا کہ وہ اصل مقصود ہے، زندگی بنانے کیلئے حیوانی بھی ضروری ہے مگر یہ زندگی اصل مقصود نہیں، مقصود ان ساری زندگیوں سے یہ ہے کہ یہ سارے کام رضائے خداوندی کے لئے ہوں۔ اور یہ جو احسانی زندگی ہے کہ منشاء کو پالیا اور وجدانی زندگی یعنی فانی ہونا یہ ثمرات کے درجے ہیں۔ اور نتیجہ ہے تو بیچ کی زندگی کے لئے دو نتیجے ہیں اور دو سبب ہیں۔ مقصود اصل بیچ کی زندگی یعنی ایمانی زندگی ہے، جس کا نام شریعت اور اتباعِ شریعت ہے۔ اور قانون شریعت کی پابندی ہو نہیں سکتی جب تک کہ حیوانی اور انسانی زندگیاں ہم میں نہ ہوں۔ اس واسطے اصل مقصود ایمانی زندگی رہ گئی کہ میرا مرنا جینا اللہ رب العزت کیلئے ہو، اس کے قانون کے تحت ہی ہو۔ اس کو قرآن نے حیاتِ طیبہ قرار دیا ہے کہ جو شخص ایمان اور عمل صالح اختیار کریگا مرد ہو یا عورت اسے ہم پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ یہ کیا ہوگی جذبہ پیدا ہوگا اکل حلال کا حرام خوری سے بچے گا جتنا اس سے بچے گا حق تلفی سے بچے گا۔ جتنا حق تلفی سے بچے گا امن کا ذریعہ بنے گا، محبوب القلوب بنے گا۔ مبغوض نہ ہوگا۔ اگر ایک شہر میں سب کے سب حرام چیزوں کو چھوڑ کر خالص اپنے حق پر آجائے غیر کی حق تلفی نہ کرے تو باہمی محبت اور حسنِ سلوک پیدا ہوگا اور شریعتِ اسلام کے اتباع ہی میں درحقیقت امن ہے، جتنا اس سے ہٹو گے برائی پیدا ہوگی کیونکہ حق تلفیوں سے نفرت اور برائی پیدا ہوتی ہے۔

تو اصل بنیادی چیز جس سے کسی مملکت میں امن وسکون پیدا ہو وہ اتباع ہے انبیاء کا پیروی ہے ان کی لائی ہوئی زندگی کی، اتباع ہے اسکی سنتوں کا ـــــ تو اس طرح اکل حلال کی عادت پیدا ہوگی پھر عبادت میں لذت پیدا ہوگی محبت خداوندی کا ذائقہ انسان میں آجائے گا اور اس میں سرشار ہو کر دنیا و مافیہا کی دولتیں ہیچ نظر آئیں گی۔ جب باطن کی دولتیں انسان کو میسر آجائیں تو سب دولتیں ہیچ بن جاتی ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے تین تین ہزار مہمان ہوتے تھے ایک ایک دن میں۔ بڑے بڑے ہال بھر جاتے تھے تو سنجر کے بادشاہ نے یہ پوچھا کہ شیخ کے ہاں مہمانداری زیادہ ہے معلوم نہیں کس طرح خرچ کرتے ہوں گے، اب اس نے اپنے اوپر قیاس کیا حالانکہ وہ اللہ پر بھروسہ

باقی صـ ۲۰ پر

علامہ شمس الحق افغانی مدظلہٗ

مسئلہ ختمِ نبوّت

پر

ایک محققانہ نظر

مشاہیرامت پر مرزائیوں کی افتراء کی حقیقت

ختمِ نبوّت اور اجماعِ امّت | ابنِ خلدون لکھتے ہیں کہ اس امت میں پہلا اجماع دعویٰ نبوّت کی وجہ سے مسیلمہ کذاب کے کفر وقتل پہ ہوا اور اسکی دیگر برائیاں صحابہ کو اس کے قتل کے بعد معلوم ہوئیں اور اسی طرح کا اجماع بلافصل قرناً بعد قرن مدعی نبوّت کے کفر وارتداد اور قتل پہ جاری رہا اور تشریعی اور غیر تشریعی نبوّت کی کوئی تفصیل نہیں پوچھی گئی۔ خاتم النبیین للشیخ الانور صہ ۳۳ وصہ ۳۴ علامہ قاری شرح فقہ اکبر مجتبائی صہ ۲۰۲ میں لکھتے ہیں: دَعْوَی النُّبُوَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّنَا کُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ۔ اسی طرح عام کتبِ تفسیر وشروح حدیث اور کتبِ کلام میں مدعی نبوّت کے کفر پر اجماعِ امّت کی تصریح کی گئی ہے۔

ختمِ نبوّت اور درایت | اللہ کے سوا ہر چیز کے لئے ابتداء اور انتہا ہوتی ہے۔ نبوّت کے لئے بھی ابتداء اور انتہاء کا ہونا ضروری ہے۔ انسانی زندگی کا ابتدائی زمانہ طفولیّت کا تھا۔ بہ تدریج انسانی عقل میں ترقی ہوتی گئی۔ تو جس طرح عہدِ طفولیّت کا لباس طفل کی بدنی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اسی طرح عقل وشعور انسانی کی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی لباس یعنی شریعت کا بدل جانا بھی ضروری تھا۔ اس لئے مختلف نبوّتیں اور شریعتیں آتی رہیں۔ حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کے زمانے تک عقل وشعور انسانی کی نشوونما مکمل ہوئی تو ضرورت تھی کہ اس وقت انسان کو کامل شریعت اور نبوّت کی نعمت عطاء کی جاتی جس کا قرآن نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا اعلان کر کے شریعت کاملہ کی عطاکردگی کا اعلان کیا اور اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ میں حفاظتِ دین وشریعت کا بھی اعلان ہوا تاکہ مستقبل میں نوعِ انسانی کسی جدید نبی کی آمد سے بے نیاز ہو کر اس کے انتظار میں نہ رہے کہ نبی کے آنے کا مقصد یا تکمیلِ دین ہے یا حفاظتِ دین۔

وہ دونوں مکمل ہو چکے، باقی تبلیغ، تو یہ امت اور علماء کا کام ہے، جس کے لئے نبی کی ضرورت نہیں جیسے قرآن میں ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اور وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اور یہی فریضہ تبلیغ امت سے صرف شیخ معین الدینؒ نے بقول ڈاکٹر اسمتھ نوّے لاکھ ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ ملاحظہ ہو نقش حیات اور تاریخ اسلام بھی اس کی شاہد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے بعد تقریباً لاکھ سوا لاکھ مسلمان چھوڑے لیکن آج ستر کروڑ مسلمان ہیں جو امت کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ یہ کس قدر نامعقول امر ہے کہ امت کی کوششوں سے جو ستر کروڑ مسلمان پیدا ہوئے ہیں اس کے بعد ایک ایسے نبی کی آمد ضروری ہے جو ان ستر کروڑ مسلمانوں کی تکفیر کر کے صرف اپنے چند مریدوں میں اسلام کی وسعت کو منحصر کر دے گویا اس کی آمد کفار کو مسلمان بنانے کی بجائے مسلمانوں کو کافر بنانے کیلئے تھی ۔۔۔۔۔۔

مرزائی وساوس کا جواب | نبوت جیسا بنیادی مسئلہ جو کفر و ایمان کے درمیان ایک حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے، مرزائیوں نے جب اجرائے نبوت کو قرآن، احادیث، اجماع امت، صحابہ، تابعین، فقہا، متکلمین، محدثین کے خلاف پایا تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے تحت چند مصنفین کی مبہم عبارات کا سہارا لینا شروع کیا۔ اگرچہ دوسری جگہ ان حضرات کی صریح عبارات نے قادیانی استدلال کا بھانڈا پھوڑ دیا تاہم مرتا کیا نہ کرتا کے تحت جو کچھ اسی قسم کے دلائل یا وساوس ان کے ہیں ہم ان کا جواب بھی دینا چاہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ پر مرزائی افتراء | مرزائی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ۔ یہ درمنثور تحت آیت خاتم النبیین اور تکملہ مجمع البحار صفحہ پر ہے۔ یہاں تلبیس کر کے باقی عبارت کو انہوں نے کاٹ دیا۔ یہ لفظ صدیقہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا: اَصْلُهَا فِيْ حَدِيْثِ عِيْسٰى اَنَّهٗ يَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَزِيْدُ فِي الْحَلَالِ اَيْ يَزِيْدُ فِيْ حَلَالِ نَفْسِهٖ بِاَنْ يَّتَزَوَّجَ وَيُوْلَدَ لَهٗ وَكَانَ لَمْ يَتَزَوَّجْ قَبْلَ رَفْعِهٖ اِلَى السَّمَاءِ فَزَادَ فِي الْهُبُوْطِ فِي الْحَلَالِ فَحِيْنَئِذٍ يُؤْمِنُ كُلُّ اَحَدٍ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَيَتَيَقَّنُ اَنَّهٗ بَشَرٌ وَّعَنْ عَائِشَةَ قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ۔ اس پوری عبارت سے معلوم ہوا کہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل نکاح نہیں کیا تھا۔ آسمان سے اترنے کے بعد نکاح کریں گے اور اولاد بھی ہو گی۔ یہی حلال میں اضافہ ہے۔ خنزیر خوری اور صلیب پرستی کا خاتمہ کریں گے اور سب اہلِ کتاب ان پر ایمان لائیں گے اس لئے حضور علیہ السلام کو خاتم الانبیاء کہو، لیکن لانبیّ بعدہٗ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے انکار کی بنیاد پر نہ کہو۔ آپ کا مقصد لانبی بعدہٗ کی نفی سے فقط یہ ہے کہ اس لفظ کو نزول عیسیٰ کی نفی کے معنی میں استعمال کر کے مت کہو باقی جدید نبوّت کی نفی میں حضرت صدیقہؓ خود نفی کی قائلہ ہیں کہ مسندِ احمد جلد ۶ صـ۱۲۹ میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ لَا یَبْقیٰ بَعْدِیْ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ رُؤْیَا الصَّالِحَۃُ۔ نیز روایت عائشہؓ مجہول الاسناد بھی ہے۔

حضرت علیؓ پر افتراء | کہ آپ نے ابو عبد الرحمان السلمی استاذ حسنین کو کہا کہ ان کو خاتَم بالفتح پڑھاؤ۔ جواب ظاہر ہے کہ آپ کے ہاں یہی قراءت راجح تھی اور ہم نے مدلل بیان کیا ہے کہ معنی کے لحاظ سے قراءت فتح وکسرہ میں فرق نہیں۔ خود حضرت علی بندش نبوت کی حدیث کے راوی ہیں۔ بخاری و مسلم میں اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

شیخ اکبر پر افتراء | شیخ اکبر نے ولی کے لئے نبوّت ثابت کی ہے۔ الجواب۔ صوفیہ کی اصطلاح میں نبوّت بمعنی لغوی یعنی انباء عن الغیب مطلقاً وحیاً اوالہاماً مراد ہے۔ وحی کو وہ شرع اور الہام کو غیر شرع کہتے ہیں ورنہ شیخ نبوّت شرعی کے دروازے کو بند تسلیم کرتے ہیں۔ شیخ فتوحات مکیہ ج ۲ صـ۴۹۵ میں لکھتے ہیں: اِنَّ الرُّؤْیَا جُزْءٌ مِنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّۃِ فَبَقِیَ لِلنَّاسِ فِی النُّبُوَّۃِ ھٰذَا وَغَیْرُہٗ وَمَعَ ھٰذَا لَا یُطْلَقُ اِسْمُ النُّبُوَّۃِ وَلَا النَّبِیُّ اِلَّا عَلَی الْمُشَرِّعِ (اَیْ صَاحِبِ الْوَحْیِ) خَاصَّۃً۔ اور صـ۵۶۸ میں لکھتے ہیں۔ فَمَا تُطْلَقُ النُّبُوَّۃُ اِلَّا لِمَنِ اتَّصَفَ بِالْمَجْمُوْعِ فَذٰلِکَ النَّبِیُّ وَتِلْکَ النُّبُوَّۃُ حُجِرَتْ عَلَیْنَا وَانْقَطَعَتْ ونقل عنہ فی الیواقیت ج ۲ صـ۳۷ طبع معہ ھذا باب اغلق بعد موت محمد لا یفتح لاحد الی یوم القیامۃ لکن بقی للاولیاء وحی الالہام الذی لا تشریع فیہ۔

امام راغب پر افتراء | بحر المحیط ج ۳ صـ۲۸۷ پر امام راغب کیطرف منسوب ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اربابِ اطاعت میں نبی نبیوں کے ساتھ شامل ہوں گے۔ مراد انبیاء سابقین ہیں کیونکہ امام موصوف نے ختم نبوّت کی تصریح کی ہے چنانچہ معنی ختم نبوّت کے تحت لکھتے ہیں: اَنَّہٗ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لِاَنَّہٗ خَتَمَ النُّبُوَّۃَ اَیْ تَمَّمَھَا بِمَجِیْئِہٖ۔

جلال الدین رومی پر افتراء :-

فکر کن در راہ نیکو خدمتے تا نبوّت یابی اندر اُمتے

اس سے مقصود وہ قربِ الٰہی ہے جو فیضِ نبوّت سے حاصل ہوتا ہے۔ خود نبوّت مراد نہیں کیونکہ رومی خود ختمِ نبوّت کے قائل ہیں۔ دفترِ پنجم میں ہے :-

یا رسول اللہ رسالت را تمام تو نمودی ہمچو شمس بے غمام

دفترِ چہارم میں ہے :-

ایں ہمہ افکار کفران زاد شان چوں در آمد سیّد آخر زمان

علامہ قاری پر افتراء :- موضوعات کبیر ص۵۸ میں حدیث : لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ نبیا قُلْتُ مَعَ هٰذَا اَىِ الضُّعُفِ لَوْ عَاشَ ابراهِيْمُ وَصَارَ نَبِيًّا وَكَذَا لَوْصَارَ عُمَرُ نَبِيًّا لَكَانَ مِنْ اَتْبَاعِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَعِيْسٰى وَخِضَرِ وَ اِلْيَاسَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلَهٗ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ اِذِ الْمَعْنٰى لَا يَاْتِىْ نَبِىٌّ بَعْدَهٗ ينسخ مِلَّتَهٗ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم اور عمر کی نبوّت اگر ہوتی تو عہدِ نبوّت میں ہوتی نہ بعد زمانے میں اور عیسٰی، خضر و الیاس علیہم السلام اگر آئیں تو وہ پرانے ہیں نئے نہیں۔ لہٰذا وہ بحیثیت اُمّتی آئیں گے۔ خود علامہ قاری نے شرح شمائل باب اوّل ص۳۳ میں یہی فرمایا ہے: اَنَّهٗ خَتَمَهُمْ اِىْ جَاءَ آخِرَهُمْ فَلَا نَبِىَّ بَعْدَهٗ اَىْ لَايُنَبَّاءُ اَحَدٌ بَعْدَهٗ فَلَا يَنَافِىْ نُزُوْلَ عِيْسٰى مُتَابِعًا لِشَرِيْعَتِهٖ مُسْتَمَدًّا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ وَقَالَ فِى الْمِرْقَاتِ (ج ۵ ص۳۷۶) اَلْمُقْفِىْ اِسْمٌ قَفَا اَثَرَهٗ اِذَا تَبِعَهٗ يَعْنِىْ اَنَّهٗ آخِرُ الْاَنْبِيَاءِ الْآتِىْ عَلٰى آخِرِهِمْ لَا نَبِىَّ بَعْدَهٗ وَقَالَ فِىْ شَرْحِ الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ (المجتبائی ص۲۰۲) وَدَعْوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَ نَبِيِّنَا كُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ ۔ نیز لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ صِدِّيْقًا نَبِيًّا ابن ماجہ کی روایت ہے اس میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان ساقط راوی ہے۔ (تہذیب التہذیب) صحیح حدیث بخاری کی یہ ہے۔ لَوْ قَضٰى اَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ نَبِىٌّ عَاشَ ابنه وَلٰكِنْ لَا نَبِىَّ بَعْدَهٗ۔

امام ربّانی مجدد الف ثانی پر افتراء :- امام ربّانی کے مکتوبات ج ۱ مکتوب ۲۷۱ میں حصولِ کمالات نبوّت مر تابعان را بطریق تبعیت و وراثت بعد از بعثت خاتم الرّسل علیہ وعلی جمیع الانبیاء والرسل الصلوٰۃ والتحیات منافی خاتمیت او نیست فلاتکن من الممترین۔ اس عبارت سے مرزائیوں نے امام ربّانی کی طرف اجراءِ نبوّت کو منسوب کیا۔ حالانکہ آپ کا مقصد حصولِ کمالات بعض اجزاء

نبوت ہے۔ اور بعض کا حصول کل کے حصول کو مستلزم نہیں۔ امام موصوف خود دفتر دوم ص۲۴ حصہ ہفتم مکتوب ۶۷ میں عقائد اہل السنت کے متعلق لکھتے ہیں۔ و خاتم الانبیاء محمد رسول است و عیسٰی علیہ السلام کہ نزول خواہد نمود عمل بشریعت او خواہد کرد بعنوان امت او خواہد بود۔ اور دفتر سوم حصہ ہشتم ص۳۴، ص۳۵ مطبوعہ امرتسر تختی کلاں میں لکھتے ہیں۔ اوّل انبیاء آدم علیہ السلام و آخر ایشاں خاتم نبوت شان حضرت محمد رسول اللہ است و عیسٰی علیہ السلام کہ از آسمان نزول خواہد فرمود متابعت شریعت خاتم الرسل خواہد نمود۔ یہ تمام بیان مرزائیت کے خلاف ہے۔ ختم نبوت کے علاوہ اس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول من السماء مذکور ہے اور مجدد کے متعلق مرزا شہادت القرآن پر لکھتے ہیں: "یہ کہنا کہ مجدد پر ایمان لانا فرض نہیں انحراف ہے۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے: وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔

شاہ ولی اللہ پر افتراء | تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص۷۲ تفہیم ۵۵ پر شاہ صاحب لکھتے ہیں: ختم به النبيون اى لا يوجد من يامره الله سبحانه بالتشريع على الناس۔ جس سے مرزائیوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ حضور علیہ السلام کے بعد صرف شرعی نبوت بند ہے۔ حالانکہ اسکی تشریح خود شاہ صاحب نے تفہیمات ج ۲ ص۷۲ میں کی ہے۔ فرماتے ہیں: وَصَارَ خَاتِمَ هٰذِهِ الدَّوْرَةِ لَا يُمْكِنُ اَنْ يُّوْجَدَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ اور پھر ج ا تفہیم ۶۵ ص۱۳۷ میں فرماتے ہیں: مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ وَدَعْوَتُهٗ عَامَّةٌ لِجَمِيْعِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَهُوَ اَفْضَلُ الْاَنْبِيَاءِ بِهٰذِهِ الْخَاصَةِ وَبِخَوَاصٍ اُخْرٰى وَقَالَ فِي حَدِيْثِ بَدْءِ هٰذَا الْاَمْرِ نُبُوَّةً اَقُوْلُ فَالنُّبُوَّةُ انْقَضَتْ بِوَفَاةِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْخِلَافَةُ لَا سَيْفَ فِيْهَا بِمَقْتَلِ عُثْمَانَ وَالْخِلَافَةُ بِشَهَادَةِ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ وَ خلع الْحَسَنِ۔ اور فارسی ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ آیت خاتم النبیین کے متعلق۔ نیست محمد پدر ہیچ کس از مردمان شما ولیکن پیغمبر خدا و مہر پیغمبران یعنے بعد از وے ہیچ پیغمبر نباشد۔

مولانا محمد قاسمؒ پر افتراء | ان کی طرف ختم زمانی کا انکار منسوب کیا گیا حالانکہ آپ فرماتے ہیں۔ اگر اطلاق اور عموم ہے تو خاتمیت زمانی ثابت ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ۔ جو بطرز مذکور بلفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے، اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون تواتر کو پہنچا۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہے۔ گو الفاظ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ بسند تواتر منقول نہ ہو۔ پس یہ

عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی ایسا ہوگا، جیسے تواتر عدد رکعات فرائض وغیرہ۔ جیسے اس کا منکر کافر ہے ویسا اس کا (لانبی بعدی) منکر بھی کافر ہے۔ تحذیر الناس ص۹ کتب خانہ امدادیہ، مناظرہ عجیبہ ص۳۹ میں لکھتے ہیں خاتمیت زمانی اپنا دین ایمان ہے، ناحق کی تہمت کا البتہ کوئی علاج نہیں۔

مولانا عبدالحیؒ پر افتراء مولانا موصوف نے دافع الوسواس فی اثر ابن عباس ص۳۹ پر لکھا ہے، علماء اہل السنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت کے عہد میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا جو نبی آپ کا ہم عصر ہوگا وہ متبع شریعت محمدیہ ہوگا۔ پس بہر تقدیر بعثت محمدیہ عام ہے۔ حالانکہ یہ مضمون زمین کے دیگر طبقات اور ان کے انبیاء کے متعلق ہے جس کی وضاحت تحذیر الناس ص۴۴ پر آپ نے کی ہے: خَتْمُ نَبِیِّنَا حَقِیْقِیٌّ بِالنِّسْبَۃِ اِلٰی اَنْبِیَاءِ جَمِیْعِ الطَّبَقَاتِ بِمَعْنٰی اَنَّہٗ لَمْ تُعْطَی النُّبُوَّۃُ لِاَحَدٍ فِیْ طَبَقَتِہٖ۔ اور مجموعۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۹۹ میں مولانا موصوف لکھتے ہیں: قَالَ اَبُوْشَکُوْر فِی التَّمْھِیْدِ اِعْلَمْ اَنَّ الْوَاجِبَ عَلٰی کُلِّ عَاقِلٍ اَنْ یَّعْتَقِدَ اَنَّ مُحَمَّدًا کَانَ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَالْاٰنَ ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَانَ خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا یَجُوْزُ بَعْدَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَحَدٌ نَبِیًّا وَمَنِ ادَّعَی النُّبُوَّۃَ فِیْ زَمَانِنَا یَکُوْنُ کَافِرًا۔ ان تصریحات سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ ختم نبوت کے منکر تھے۔ ■■

بقیہ حیات طیبہ کر چکے تھے پریشانی کی کیا ضرورت تھی۔ تو ایک صوبہ پورا جس کا نام نیمروز تھا شیخ کے نام وقف کیا شیخ کی مملکت قرار دے کر پیل کے پتے پر لکھ دیا کہ پورا صوبہ نیمروز کا میں آپ کے نام کرتا ہوں جس کی سالانہ لاکھوں روپے آمدنی ہوتی ہے۔ شیخ نے اس کا جواب فارسی کے دو شعر میں لکھا ۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد   در دل بود اگر ہوسے ملک سنجرے

سنجر کے بادشاہ کا جو چتر ہے اسی طرح میرا منہ سیاہ اور میں بدبخت بن جاؤں اگر اس میں ذرا بھی ہوس آجائے تو میں اپنے کو سیاہ بخت بن جاؤں گا، مجھے تمہارے صوبے کی ضرورت نہیں کیوں ----؟ آگے اس کی وجہ بیان کی ۔

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب   من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

جس دن سے مجھے نیم شب کا ملک ہاتھ آیا ہے، یعنی آدھی رات کی عبادت اور نفلوں کی وہ لذت اور جو حق تعالیٰ کے جلال و جمال کے مشاہدے ہوتے ہیں تو نیمروز کے ملک کی جو کے برابر بھی وقعت نہیں رہی، تو اہل اللہ ساری دنیا پہ لات مار دیتے ہیں تو اہل اللہ کو یہ لذتیں ملتی ہیں وہ ان وقتی لذتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں ---- ■■

جناب مصنطر عباسی ایم۔ اے (مری)

السَّیر بَینَ السَیّارات

سائنس کی خلائی فتوحات

سنہ ۱۹۶۰ء میں بہاول پور سے شائع ہونے والے ایک اخبار "العزیز" میں "خلائی سفر" کے عنوان سے میرا ایک مضمون شائع ہُوا تھا۔ یہ مضمون ۱۹۶۹ء میں کراچی سے شائع ہونے والے ایک رسالے "ترجمان" میں معمولی اضافہ کے ساتھ دوبارہ شائع ہوا، اس بار اس کا عنوان تھا "انسان جاگ اٹھا"۔ اب تیسری بار یہی مضمون مناسب تبدیلیوں اور ضروری اضافوں کے ساتھ "الحق" کی نذر کر رہا ہوں ـــــ الحق میں اس مضمون کی اشاعت کا مقصد عربی مدارس کے ان طلباء کے ذوقِ تجسس کی تسکین ہے۔ جو انگریزی نہ جاننے کے باعث سائنس کے جدید ترین انکشافات سے بروقت باخبر نہیں ہو سکتے اور اس طرح اپنی معلومات میں کمی محسوس کرتے ہیں۔ (مضطر عباسی)

★

خلائی سفر | بیسویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی انسانی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان سالوں میں خلائی سفر کا آغاز ہُوا۔ ۱۹۵۷ء میں روسی سائنس دانوں نے پہلا مصنوعی سیّارہ زمین کے گرد خلا میں اڑایا۔ اور دو سال بعد ۱۹۵۹ء میں روسی سائنس دانوں کا بھیجا ہُوا ایک مصنوعی سیارہ روسی جھنڈا (جس پہ درانتی اور ہتھوڑے کا نشان ہے) اور چند ایک خود کار مشینیں لے کر چاند کی سطح پر اس طرح اترا جس طرح زمینی مستقر پہ کوئی طیارہ اترتا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں ایک روسی خلاباز نے زمین کے گرد خلا میں سفر کیا اور جولائی ۱۹۶۹ء میں امریکی سائنس دانوں نے انسان کو چاند پہ اتار دیا۔ اس طرح جنّت سے نکلے ہوئے آدمؑ کے بیٹوں نے ارضی قید خانے سے باہر چھلانگ لگائی اور آج اس مضمون کی تحریر کے وقت روسیوں کی ایک گاڑی چاند پہ موجود ہے۔ یہ گاڑی پندرہ روز مسلسل سفر اور پندرہ روز قیام کرتی ہے۔

اس میں ٹیلی ویژن کیمرے نصب ہیں جو چاند کی تصاویر زمین پر بھیجتے ہیں۔ گاڑی شمسی توانائی سے چلتی ہے اور زمین سے اسے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ خلائی سفر سے مراد انسان کا زمین کے حلقۂ اثر سے باہر خلا میں سفر کرنا اور فلک کی بیکراں وسعتوں میں پھیلے ہوئے سیاروں اور ستاروں تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ خلائی سفر کے بارے میں عوام تو عوام اچھے خاصے پڑھے لکھے خواص بھی بہت کم اور بعض اوقات غلط معلومات رکھتے ہیں اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ روس اور امریکہ کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں سائنس کی اس شاخ یعنی تسخیر خلا پر بہت کم کام ہوا ہے۔ گو برطانیہ فرانس اور چین نے بھی خلا میں پرواز کے کامیاب تجربے کئے ہیں لیکن روس اور امریکہ کے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں۔ نیز ہمارے ہاں سائنس کی اس شاخ پر کتابیں دستیاب نہیں۔ اخبارات میں جو کچھ آرہا ہے اسکی حیثیت خبر، روایت یا امر واقعہ کے بیان سے زیادہ کچھ نہیں۔

اخبارات کے مطالعہ سے قارئین اس حد تک جان چکے ہیں کہ انسان نے خلاء میں سفر کرنا سیکھ لیا ہے۔ اور یہ کہ انسان نے چاند پر اپنا نقش پا ثبت کر دیا ہے۔ باقی رہا خلائی سفر کی ٹیکنیک اور طریقے کار کا علم، سو اس بارے میں اخبارات نے قارئین کی کوئی مدد نہیں کی اور نہ ہی یہ اخبارات کے فرائض میں شامل ہے۔ اور اگر کسی اخبار یا رسالے میں اس عنوان پر کچھ کہا گیا ہے۔ تو اس کے لئے سائنس کی مشکل اور اصطلاحی زبان استعمال کی گئی ہے۔ جسے سائنس کے طالب علم ہی سمجھ سکتے ہیں عام قارئین کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

اس مضمون میں خلائی سفر کی کیفیت اور اسکی بنیادی باتیں عام فہم زبان اور مختصر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور جہاں تک ممکن تھا اصطلاحات کے استعمال سے اجتناب کیا گیا ہے۔

انسان کو خدا نے بیشمار صلاحیتیں اور قوتیں عطا کی ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے استعمال سے انسان نے بین السیاراتی سفر میں کامیابی حاصل کی ہے اور بہت سی صلاحیتیں اور قوتیں انسان کی گمراہی کے باعث زنگ آلود ہوئی جارہی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو اسلام کی شاہراہِ مستقیم کی طرف لایا جائے۔ تاکہ خداداد صلاحیتیں اور قوتیں چمک اور جلا پاکر ابن آدم کو اس مقام تک پہنچا دیں جسے معراجِ انسانیت کا مقامِ محمود کہا جاتا ہے۔

بنیادی باتیں | خلائی سفر پر براہِ راست گفتگو سے پہلے ضروری ہے کہ ہمیں زمین، خلا، چاند اور قوتِ فرار وغیرہ کے بارے میں ان بنیادی باتوں کا علم ہو جو اس بیان میں مسلمات کی حیثیت رکھتی ہیں۔

زمین | زمین گول ہے۔ قرص یعنی ٹکیہ یا روپے کی طرح گول نہیں بلکہ سیب، اخروٹ یا گیند کی طرح گول[1] ہے۔ اصطلاحی زبان میں یوں کہئیے کہ زمین قرص نہیں کرہ ہے۔ اسکی گولائی ۲۴ ہزار میل ہے۔ اگر کوئی شخص زمین کی سطح پر ناک کی سیدھ میں چلتا جائے اور پہاڑ دریا سمندر وغیرہ اسکی راہ نہ روک سکیں تو یہ شخص ۲۴ ہزار میل سفر کرنے کے بعد اسی جگہ واپس پہنچ جائے گا جہاں سے اس نے سفر شروع کیا تھا۔ اگر ایک شخص ہمالہ کی سب سے اونچی چوٹی (ایورسٹ) پر کھڑے ہو کر زمین کے متوازی افق کے کسی جانب بندوق چلائے اور یہ بندوق ۲۴ ہزار میل تک مار کرتی ہو تو اسکی گولی بندوق چلانے والے کی پیٹھ میں لگے گی۔

زمین کے بارے میں ایک دوسری بات جسکی حیثیت امر مسلّم کی ہے یہ ہے کہ زمین ایک بہت بڑے مقناطیس کی طرح تمام مادی چیزوں کو اپنی طرف کشش کرتی ہے۔

اس کشش کے سلسلے میں زمین کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتی۔ حقیقت یہ ہے کہ مادے کی ہر مقدار خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ مادے کی دوسری مقداروں کو اپنی طرف کشش کرتی ہے۔ زمین کی طرح چاند بھی کشش کی قوت رکھتا ہے۔ سائنس دان مادے میں پائی جانے والی اس قوت کو ایک کائناتی اصول کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔ یہ اصول جس کا نام اصولِ کشش ہے نیوٹن نامی ایک سائنس دان نے دریافت کیا تھا۔ اصول یہ ہے۔

"ہر مادی چیز دوسری مادی چیز کو اپنی طرف کشش کرتی ہے۔ اس کشش کی کمی بیشی کا انحصار مادے کی مقدار اور دونوں چیزوں کے درمیانی فاصلے پر ہے۔"

یعنی اگر دو مادی چیزوں میں مادے کی مقدار کم ہو گی تو ان میں کشش کی قوت بھی کم ہو گی اور اگر مادے کی مقدار زیادہ ہو گی تو یہ قوت بھی زیادہ ہو گی۔ دوسری طرف فاصلہ ہے اگر دو چیزوں میں فاصلہ زیادہ ہو گا تو کشش کی قوت کم ہو گی۔ اور اگر فاصلہ کم ہو گا تو کشش کی قوت زیادہ ہو گی۔

غرض زمین گول (کرہ) ہے۔ اسکی گولائی ۲۴ ہزار میل ہے۔ نیز زمین ایک بڑے مقناطیس کی طرح قوتِ کشش کی حامل ہے۔ یہ تین باتیں زمین کے بارے میں سائنس دانوں کے نزدیک مسلمات میں سے ہیں۔

خلا | زمین پر ہر طرف ہوا ہے۔ یہ ہوا کا غلاف پھل کے چھلکے کی طرح زمین کو اپنے اندر لپیٹے ہوئے ہے۔ زمین کے گرد ہوا کے غلاف کی تہ زمین کی موٹائی کی نسبت چنداں موٹی نہیں۔

---

[1] اور ایک نظریہ اب یہ بھی ہے کہ ناشپاتی کی طرح گول ہے۔ "س"

اگر ہم زمین سے اوپر کی جانب پرواز کریں تو چند میل کی بلندی پر ہوا کے غلاف سے باہر نکل جائیں گے۔ دنیا کا سب سے بڑا پہاڑ ہمالہ ہے۔ اسکی سب سے اونچی چوٹی ایورسٹ ہے جسکی بلندی سطح سمندر سے ۲۹ ہزار فٹ ہے۔ یہ چوٹی کسی حد تک ہوا کے غلاف سے باہر نکلی ہوئی ہے۔ ہوا کے غلاف سے باہر ہلکی گیسوں کے بکھرے بکھرے ذرات ملتے ہیں اور مزید چند میل کی بلندی پر یہ ذرات بھی نایاب ہو جاتے ہیں۔ اس سے آگے کی فضا خلاء کہلاتی ہے۔ یہ خلاء کروڑوں اربوں میل تک پھیلا ہوا ہے۔ تمام سیّارے ستارے، سورج اور کہکشائیں ہماری زمین کی طرح اس ناپیداکنار خلا میں تیر رہی ہیں — کل فی فلک یسبحون۔

ہر سیّارے اور ستارے کے گرد اسکی اپنی مخصوص فضا ہے۔ یہ فضا دراصل اس سیّارے یا ستارے کا حصہ ہے جو اس کے مرکز میں واقع ہے۔ جس طرح زمین کے گرد پائی جانے والی ہوائی فضا زمین کا ایک حصہ ہے۔ سیاروں اور ستاروں کی مخصوص فضاؤں کے باہر خلا ہی خلا ہے جس میں سیاروں اور ستاروں کی باہمی کشش کی قوت اور روشنی کی شعاؤں کے سوا کچھ نہیں اور اگر کچھ ہے تو اس کے بارے میں سائنس دان کچھ نہیں جانتے

چاند | چاند زمین کے گرد گھومنے والا ایک ذیلی سیّارہ ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کسی زمانے میں چاند زمین ہی کا ایک حصہ تھا۔ جو کسی نامعلوم حادثے کے نتیجے میں زمین سے الگ ہو گیا اور زمین کی کشش کے باعث بجائے زمین سے دور ہٹ جانے کے زمین کے گرد گھومنے لگ گیا ہے۔ چاند کیا تھا اور کہاں سے آیا ہے۔؟ زمین سے جدا ہوا ہے یا کسی دوسرے سیّارے یا ستارے سے ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ چاند زمین کے گرد گھومنے والا ایک ذیلی سیّارہ ہے۔ اس کا زمین سے فاصلہ ۲ لاکھ ۴۰ ہزار میل کے قریب ہے۔ یہ زمین سے چھوٹا ہے اور اس میں زمین کے مقابلے میں قوت کشش بھی کم ہے۔ جسطرح زمین کے گرد ہوائی فضا ہے۔ اس طرح کی چاند کے گرد ہوا یا کوئی دوسری گیس تاحال دریافت نہیں ہوئی —————۔

چاند اور زمین کے درمیان ۲ لاکھ ۴۰ ہزار میل کا فاصلہ ہے۔ اس درمیانی فاصلے میں ۲ لاکھ میل تک زمین کشش کرتی ہے۔ اور اس کے بعد چاند کی کشش کا حلقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگر مادے کی کچھ مقدار اس جگہ پہنچ جائے جہاں سے زمین کا فاصلہ دو لاکھ میل اور چاند کا فاصلہ ۴۰ ہزار میل ہو تو وہ مادہ زمین اور چاند دونوں کی مخالف سمتوں میں برابر کشش کے باعث معلق ہو جائے گا۔

قوت فرار | خلائی سفر کے مسائل کو سمجھنے کیلئے قوت فرار کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہی وہ قوت ہے جس کے باعث روس اور امریکہ کے سائنس دانوں کے بنائے ہوئے مختلف مصنوعی سیارے زمین چاند اور بعض دوسرے سیاروں کے گرد گھوم رہے ہیں۔

قوت فرار جسے قوت گریز بھی کہتے ہیں ہر اس چیز میں پیدا ہو جاتی ہے جو کسی مرکز کے گرد گھومتی ہے۔ یہ قوت مرکز کے گرد گھومنے والے مادے کو مرکز سے دور لے جانے کی کوشش کرتی ہے۔ گویا قوت فرار قوت کشش کی ضد ہے۔ فرض کریں "الف" اور "ب" دو مادی چیزیں ہیں، یہ دونوں ایک دوسرے سے ایک خاص فاصلے پر دھری ہیں ان دونوں میں قوت کشش موجود ہے۔ اور اگر ان کی راہ میں کوئی دوسری قوت جیسے زمین کی قوت کشش ہے حائل نہ ہو تو یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہوتے مل جائیں گی۔ اب اگر کوئی تیسری قوت "ب" کو "الف" کے گرد گھمائے تو "ب" میں قوت فرار پیدا ہو جائے گی، جو اسے مرکز یعنی "الف" سے دور لے جانے کی کوشش کرے گی۔ اور "ب" کی رفتار گردش جس قدر تیز ہو گی اسی قدر اس میں قوت فرار بڑھ جائے گی۔ اور اس طرح قوت کشش اور قوت فرار ایک دوسرے کی مخالف سمت میں عمل کریں گی۔

"چکی" چلتی ہے اور پاٹ گھومنے لگتا ہے اس پاٹ کے ساتھ آٹا بھی گھومنا شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح آٹے میں قوت فرار پیدا ہو جاتی ہے جو آٹے کو پاٹ کے مرکز سے پاٹ کے کناروں کی طرف لے جاتی ہے تاآنکہ آٹا پاٹوں کے درمیان پستا پستا کناروں تک پہنچ کر باہر نکل آتا ہے۔

تجربہ | آئیے! قوت فرار کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ایک تجربہ کریں۔ آپ گز بھر لمبی ایک رسّی لیں۔ اس کے ایک سرے پر تین چار چھٹانک وزنی لوہا یا کوئی اور چیز باندھ دیں۔ اب رسّی کا دوسرا سرا پکڑ کر رسّی کو اپنے سر کے اوپر زور سے گھمائیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ رسّی کے سرے پر بندھے ہوئے وزن میں ایک ایسی قوت پیدا ہو گئی ہے جو اسے بجائے زمین کی طرف جھکنے کے زمین کے متوازی سمت میں افق کی طرف جانے کا رجحان پیدا کر رہی ہے۔ یہ فرار کی قوت ہے جو وزن کو مرکز یعنی آپ کے ہاتھ سے دور کھینچ رہی ہے اور رسّی قوت کشش کا مصنوعی سہارا ہے۔ جو وزن کو دور جانے سے روکتی ہے۔ اگر رسّی نہ ہوتی تو وزن قوت فرار کے باعث دور چلا جاتا اور اگر وزن میں قوت فرار نہ ہوتی تو بجائے زمین کے متوازی سمت میں گھومنے کے زمین کی طرف لٹک جاتا۔ اسی دوران جب آپ رسّی کو گھما رہے ہیں اگر رسّی ٹوٹ جائے یا دوسرے سرے پر بندھا ہوا وزن

نکل جائے تو دور جاکر گرے گا۔ حالانکہ آپ نے اسے دور پھینکنے کیلئے قوت نہیں لگائی۔ آپ تو صرف ہاتھ کی معمولی جنبش سے اسے سر کے اوپر گھمانے کی کوشش کر رہے تھے نہ کہ دور پھینکنے کی۔

چاند اور زمین | چاند زمین سے دو لاکھ ۴۰ ہزار میل کے فاصلے پر زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ زمین اور چاند کے درمیان پائی جانے والی قوتِ کشش چاند کو زمین سے دور نہیں جانے دیتی اور چاند کے گھومنے سے اس میں پیدا ہونے والی قوتِ فرار اسے زمین یعنی مرکز کے قریب نہیں آنے دیتی۔ اس طرح چاند صدیوں سے زمین کے گرد ایک مخصوص دائرے میں گھوم رہا ہے نہ زمین سے اس قدر دور جاتا ہے کہ ہم چاندنی اور مدّوجزر کے فوائد سے محروم ہو جائیں، اور نہ زیادہ قریب آتا ہے کہ اس کی کشش سے زمین کانپنے لگ جائے، سمندروں کا پانی اچھل پڑے اور اہل زمین تباہ و برباد ہو جائیں۔

اگر خدانخواستہ چاند کی رفتار گردش سست پڑ جائے تو اس کے نتیجے میں اسکی قوتِ فرار میں کمی ہو جائے گی اور قوتِ کشش قوتِ فرار پر غالب آکر چاند کو زمین پر گرا دے گی۔ اور اگر چاند کی رفتار گردش زیادہ ہو جائے تو قوتِ فرار بڑھ کر قوتِ کشش پر غالب آجائے گی جس کے نتیجہ میں چاند زمین سے دور چلا جائے گا۔ خدائے خالق زمان و مکان نے چاند اور زمین کے درمیان قوتِ کشش اور قوتِ فرار کو اس درجہ متوازن پیدا فرمایا ہے، کہ دونوں قوتیں مل کر چاند کو زمین سے مناسب ترین فاصلے پر گھما رہی ہیں۔ قوتِ کشش چاند کو زمین سے دور جانے سے اور قوتِ فرار چاند کو زمین کے نزدیک آنے سے روکے ہوئے ہے۔

جس طرح چاند اور زمین کے درمیان کشش اور فرار کی قوتیں کام کر رہی ہیں، اسی طرح زمین اور سورج کے درمیان بھی یہ دونوں قوتیں کار فرما ہیں۔ زمین اٹھارہ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے نو کروڑ میل کے فاصلے پر سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ اگر زمین کی رفتار گردش اٹھارہ میل فی سیکنڈ سے کم ہوتی تو ظاہر ہے زمین کی قوتِ فرار بھی اسی نسبت سے کم ہوتی اور اس طرح سورج کی بے پناہ قوتِ کشش جو زمین کی قوتِ کشش سے کئی لاکھ گنا زیادہ ہے، زمین کو کھینچ کر سورج کے قریب کر دیتی اور سورج کی گرمی سے زمین پر ہر چیز جل کر بھسم ہو جاتی۔ اسی طرح اگر زمین کی رفتار گردش موجودہ رفتار سے زیادہ ہوتی تو اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی قوتِ فرار زمین کو سورج سے دور لے جاتی اور زمین سورج کی حرارت اور روشنی سے محروم ہو جاتی اور پانی کے سمندر چھوڑ ہوا کا سمندر جس میں ہم سب مچھلیوں کی طرح رہ رہے ہیں، سردی سے جم کر یخ بن جاتا اور زمین پر انسان یا چرند و پرند

بجائے خود کسی جرثومے کا زندہ رہنا بھی محال ہوتا۔

جس طرح زمین سورج سے ایک مخصوص فاصلے پر ایک مخصوص رفتار کے ساتھ سورج کے گرد گردش کر رہی ہے اسی طرح نظام شمسی کے باقی سیارے بھی سورج کے گرد گھوم رہے ہیں اور ہر سیارہ قوت فرار اور قوت کشش کے زیر اثر ایک مخصوص دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور جسطرح زمین اپنے گرد گھومنے والے چاند کو بلکہ سورج کے گرد گھوم رہی ہے اسی طرح سورج نظام شمسی کے تمام سیاروں کو بلکہ کہکشاں میں نامعلوم مرکز کے گرد گھوم رہا ہے اور یہاں بھی فرار اور کشش کی قوتیں کام کر رہی ہیں جو سورج کو کہکشاں کے اندر مخصوص دائرے سے باہر نہیں جانے دیتیں ۔۔۔ ذالک تقدیر العزیز العلیم

جمود کا قانون | خلائی سفر میں کام آنے والی ایک اور کائناتی قوت ہے جس کا نام ہے "قانون جمود کی قوت" اس قانون کا مفہوم یہ ہے:

"ساکن چیز (جسم) ہمیشہ ساکن رہتی ہے جب تک قوت کے صرف سے اسے متحرک نہ کیا جائے اور متحرک چیز خط مستقیم میں ہمیشہ متحرک رہتی ہے جبتک قوت کے صرف سے اسے ساکن یا خط مستقیم سے منحرف نہ کیا جائے۔"

زمین پر ساکن گاڑی کو قوت لگا کر متحرک کیا جاتا ہے، اور جب گاڑی حرکت شروع کرتی ہے تو خط مستقیم میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے تاآنکہ قوت لگا کر اسے موڑتے ہیں، اور قوت ہی کے استعمال سے اسے دوبارہ ساکن کرتے ہیں۔ بظاہر ہموار سطح پر گیند کو دھکا دینے سے گیند متحرک ہو جاتی ہے۔ اگر سطح کا کھردرا پن، زمین کی قوت کشش اور ہوا کی مزاحمت وغیرہ چیزیں اسکی راہ میں حائل نہ ہوں تو گیند ہمیشہ کے لئے لڑھکتا رہے جس گولی کو بارود کی قوت سے ہم اوپر کی طرف پھینکتے ہیں، اگر زمین کی کشش اور ہوا کی مزاحمت اس کے سد راہ نہ ہوں تو یہ گولی لاکھوں اربوں سالوں تک آگے ہی آگے اوپر کی طرف بڑھتی جائے یا کسی فلکی جرم سے ٹکرا کر ساکن ہو جائے۔

ردّ عمل کا قانون | ایک اور قوت جس کا بیان کرنا ضروری ہے، وہ ردّ عمل کے قانون کی قوت ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے:

"جس قوت کے ساتھ "الف" جسم "ب" کو دھکیلتا ہے، اسی قوت کے ساتھ "ب" جسم "الف" کو دھکیلتا ہے۔"

آپ ایک پتھر اٹھاکر زور سے دوسرے پتھر پر مارتے ہیں، تو جس قوت کے ساتھ گرنے والا پتھر نیچے پڑے ہوئے پتھر پر ضرب لگاتا ہے، اسی قوت کے ساتھ نیچے والا پتھر گرنے والے پتھر پہ چوٹ لگاتا ہے اور دونوں میں سے جو کمزور ہوتا ہے وہ ٹوٹ جاتا ہے۔

بندوق سے گولی چلاتے وقت آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ بندوق گولی کو آگے کی طرف اور آپ کو پیچھے کی طرف دھکا دیتی ہے۔ جیٹ طیارے بھی اسی قوت سے اڑتے ہیں۔ اس قسم کے طیارے میں ایک خاص قسم کا ایندھن بھرا ہوتا ہے، جب انجن چلایا جاتا ہے تو جلتا ہوا ایندھن گیس کی صورت میں طیارے کے عقب سے خارج ہوتا ہے۔ اور جس قوت اور شدّت کے ساتھ جلتا ہوا ایندھن عقب کی سمت خارج ہوتا ہے، اسی قوت اور شدّت کے ساتھ طیارے کو آگے کی طرف دھکا لگتا ہے۔ نتیجۃً طیارہ اسی رفتار کے ساتھ آگے بڑھنے لگتا ہے جس رفتار کے ساتھ ایندھن پیچھے کی سمت خارج ہو رہا ہوتا ہے — جب ایندھن کے اخراج کی رفتار آواز کی رفتار سے بڑھ جاتی ہے تو طیارے کی رفتار بھی آواز کی رفتار سے بڑھ جاتی ہے۔

(باقی آئندہ)

عبدالرشید خلیفہ مجاز حضرت مولٰنا عبدالغفور صاحب مدنی رح

ملفوظات

حضرت خواجہ محمد فضل علی شاہ قریشی نقشبندی مجددی

مسکین پوری رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا :

صحبت صالح اگر یک ساعت است   بہتر از صد خلوت و صد طاعت است

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا

گو نشیند در حضور اولیاء

مسلمان بھائیو! دین میں کوشش کرو۔ مسلمانوں کی حالت بہت گر گئی ہے۔ مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔ جس شخص کو جس چیز کے ساتھ محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر بہت کرتا ہے ۔ مسلمانو! خدا تعالیٰ کو یاد کرو۔ دیکھو مجنوں کو لیلیٰ سے محبت تھی، وہ لیلیٰ لیلیٰ کرتا تھا، پنوں سسی کو یاد کرتا تھا، رانجھا کو ہیر کی یاد تھی۔ جس کو جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے وہ اس کو یاد کرتا ہے۔ تم خود کو مسلمان کہتے ہو کیا تم خدا تعالیٰ کو یاد نہیں کرو گے۔ کیا خدا تعالیٰ کا ذکر چھوڑ کر غیر اللہ کو یاد کرو گے۔

آپ حضرات نے اسلام سے کیا سیکھا ہے۔؟ داڑھیاں منڈا رکھی ہیں۔ تم میں سے اسلام کی خوشبو نہیں آتی۔ اگر مولوی ہے تو غرور سے بھرا ہوا ہے۔ اگر حافظ ہے تو غرور میں مستغرق ہے۔ عالم ہو یا پیر سب غرور میں مست ہیں۔ بتاؤ کیا تمہارا غرور بجا ہے۔؟ اپنے دادا حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم یاد کرو۔ آپ نے کہا تھا: ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین۔

فخر تو شیطان نے کیا تھا۔ وہ دونوں جہان میں رحمتِ الٰہی سے محروم ہو گیا۔ دیکھو! "خان" کی "خ" ٹیڑھی ہے۔ اسی طرح "حاکم" کی "ح" کج ہے۔ یہ دونوں کج ہیں۔ راہِ راست پر نہیں آتے مولوی صاحب سے مولٰنا بن گئے۔ باقی رہے پیر انہوں نے اس بات کو لے لیا کہ ہمارا دادا بڑا دیندار اور صاحبِ کمال تھا۔ یہ خاص خاص فرقے تو دین کو جواب دے گئے۔ اور دین سے منہ موڑ گئے، تو اب دین کی خدمت کون کرے۔

مسلمانو! عجز و نیاز ورثۂ نبوی ہے، اور تکبر و غرور میراث فرعون وہامان و نمرود و شداد د

شیطان ہے۔ اب تمہیں اختیار ہے جس کا ورثہ لینا ہے لے لو۔

میں مانتا ہوں تم "خان" ہو "مولوی" ہو "ڈاکٹر" ہو "حاکم" ہو "وائسرائے" ہو۔ میں تم سب سے کہتا ہوں یہ گیہوں کا ایک دانہ اس جیسا تم میں سے کوئی ایک دانہ بنا دے، کوئی نہیں بنا سکتا۔ اچھا یہ تو ایک تنکا اس جیسا ایک تنکا ہی کوئی بنا دے۔ اس کے نصف جتنا ہی بنا دے۔ یہ بھی کوئی نہیں بنا سکتا۔ پھر غرور کس بات کا ہے، شرم نہیں آتی۔ عجز و کمزوری کا یہ عالم ہے کہ ایک تنکا نہیں بنا سکتا۔ اور تکبر و غرور میں بھرا ہوا ہے۔ دین کی یہ حالت ہے کہ نماز سنو تو وہ نہیں آتی۔ جنازہ نماز کی دعائیں نہیں آتیں، ہاں ضد کرنا آتی ہے۔ بڑا ابتنا آتا ہے۔ ان کی مثال یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک شخص موسیٰ نوہانی ہے، اس کا ایک بیل ہے، وہ لڑائی میں مشہور ہے، اس کے سینگ بڑے اور ٹیڑھے ہیں، وہ کنوئیں پر کام نہیں دیتا۔ ہل نہیں چلاتا۔ صرف لڑائی کا کام دیتا ہے۔ جس بیل کو دیکھتا ہے دیکھتے ہی لڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اپنے بڑے بڑے سینگوں سے بیلوں کو گرا دیتا ہے۔ تم مسلمان ہو مگر شریعت کے مطابق کوئی کام نہیں کرتے، فقط بیل والی لڑائی جانتے ہو۔ بزرگوں پہ اعتراض کرنا اور شر و فساد کیلئے تیار ہو۔ میں تمہیں شریعت کی طرف بلاتا ہوں۔ میں تم کو اللہ کا نام بتاتا ہوں۔ تعجب کی بات ہے کہ ہندو بھی اللہ کے نام سے خوش ہوں۔ یہود و نصاریٰ بھی اللہ کا نام لینے پہ خوش ہوں۔ مگر مسلمان ناراض ہوں، یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

افسوس ہے تیرے علم پر۔ مسلمانو! اللہ کا ذکر سیکھو۔ شریعت کا علم حاصل کرو، اس پر عمل کرو۔ اللہ والوں کی بڑی شان ہے۔ میں بادشاہ ہمایوں کے مقبرہ پہ گیا۔ کوئی اس کی قبر نہ بتا سکا۔ وہاں ایک مجوسی خاکروب بیٹھا ہوا تھا۔ اس جہانِ فانی میں اسے کیسا کروفر، ملک و مال دنیا حاصل تھا۔ سپاہ موجود رہتی تھی۔ مگر مرنے کے بعد قبر کا پتہ کوئی نہیں دیتا۔ پھر میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پہ حاضر ہوا۔ بہت سے لوگ وہاں فاتحہ اور دعا میں مشغول پائے۔

آپ کے وسیلے سے اپنی حاجات اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے تھے۔ ہندو اور انگریز بھی سلام کر رہے تھے۔۔۔۔ امیر و فقیر سب بزرگوں کے مزارات پر جاتے ہیں شہنشاہی دو جہان میں ان حضرات کی ہے۔ کیا عجیب بادشاہی ہے۔ ؎

گدا کرہی خواہند از اہل جہاں

مسلمانو! نسب کا فخر کرنا حرام ہے۔ تم کہتے ہو کہ میں مولوی ہوں، میں سیّد ہوں، میں پیر ہوں۔ میرا دادا بڑا ولی تھا۔ میں مانتا ہوں کہ تیرا دادا کامل ولی تھا۔ مگر تم اپنا تو کوئی کمال دکھاؤ۔ افسوس

دادا نے ورثۂ نبوی حاصل کیا۔ وہ شریعت مطہرہ پر عمل کر کے کامل ولی بنا۔ مگر پوتہ نے ورثہ شیطانی پایا۔ اور دین برحق سے بیگانہ ہو گیا۔

اپنی ذات بدلنا حرام ہے۔ ذات بدلنے والے پر لعنت ہے۔ یہ لعنت کا کام ہے کہ سید نہ ہو مگر اپنی ذات بدل کر سید بن جائے۔ مولوی صاحبان کو عالم باعمل ہونا چاہیئے۔ بے عمل مولوی اور جاہل پیر ملک کی خرابی کا باعث ہیں۔ لوگ سودی قرض لے کر مُردہ کی فاتحہ کرتے ہیں۔ سود لینا دینا دونو حرام ہیں۔ ایسا صدقہ مقبول نہیں۔ میں علم کی شکایت نہیں کرتا، میں ان لوگوں کی شکایت کرتا ہوں جو عمل نہیں کرتے، جو علم پر عمل نہیں کرتے ان کے واسطے علم سمِ قاتل ہے۔ دیکھو مصری میٹھی چیز ہے مگر صفرا کے مریض کو کڑوی لگتی ہے۔ اس میں مصری کا کوئی قصور نہیں۔ اسی طرح علم کا قصور نہیں بلکہ قصور اس کا ہے جو اس پر عمل نہیں کرتا۔

میری مولوی صاحبان کے ساتھ عداوت نہیں وہ شریعت کے حامل ہیں۔ میں اُن کا غلام ہوں کسی اہل اللہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔ ع

گردِ نعل اسپ سلطانِ شریعت سرمہ کن

مولوی غرور میں مست ہیں۔ تبلیغ اور وعظ و نصیحت دوسروں کو نہیں کرتے۔ بس یہ کام ہے کہ فلاں کافر اور فلاں کافر ہے۔ کیا اسلام نے تم کو یہی سکھایا ہے کہ مسلمانوں کو کافر بناؤ ــــ یہ بھی ایک غلطی ہے کہ اپنے لڑکوں کو "دینی تعلیم" سے محروم کر کے انگریزی پڑھانی شروع کر دیتے ہیں۔ یاد رکھو اگر اولاد کو دین کا علم نہ سکھاؤ گے تو وہ بے دین ہو جائے گی۔ خود بھی دوزخ میں جائے گی اور تم کو بھی دوزخ میں لے جائے گی۔ دین کا علم نہ ہونے کی وجہ سے انگریزی تعلیم کا اثر بُرا ہوتا ہے۔ عقائد صحیح نہیں رہتے۔ مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دو۔

جب تک کسی اللہ والے شیخ کا ہاتھ نہ لگے تب تک انسان بننا مشکل ہے۔ یہ غرور تم کو خراب کر دے گا کہ میں مولوی ہوں۔ فلاں کتاب میں نے "سلوک" کی پڑھی ہے۔ میں عالم ہوں۔ مجھے کسی کی حاجت نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہمارے سامنے ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا علم سب سے بڑا ہوتا ہے۔ مگر آپ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ۔ آیت ۱۱۴)

اور کہہ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے۔ ــــ تیرا علم حضرات انبیاء علیہم السلام کے علم کے سامنے ذرہ کی مثال نہیں رکھتا۔ انہیں حکم ہوا۔ قل رب زدنی علما۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کو کہتے ہیں۔ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۔ (الکہف۔آیت ۱۸) تیرے ساتھ رہوں، اس پر کہ مجھ کو سکھا دے کچھ، جو سکھائی ہے بھلی راہ۔

تو کہتا ہے کہ میں عالم ہوں مجھے دوسروں کے پاس جانے کی حاجت نہیں۔ لوگوں کی سمجھ کیسی ہو گئی ہے۔ یہ حال عالموں کا ہے۔ باقی رہے جاہل، وہ "خان بہادر" بن گئے ہیں۔ ان کو کوئی سلام نہ کرے تو مارنے کیلئے تیار ہیں۔

لوگو! عمل صالحہ بجا لاؤ۔ شیطان کا کہنا نہ مانو۔ اگلے زمانے کے عالموں کا احوال جو دیکھتے ہیں وہ آج نہیں ملتے۔ ایک لڑکے کو حجاج نے بلایا۔ اسے کہا کہ قرآن شریف سے کچھ تلاوت کر۔ لڑکے نے پڑھا: اِذَا ذَھَبَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ (یَخْرُجُوْنَ مِنْ) دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۝ ـــــ حجاج نے اسے کہا کہ تونے قرآن غلط کیوں پڑھا ہے۔ قرآن صحیح یوں ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۝ جب پہنچ چکی مدد اللہ کی، اور فیصلہ۔ اور تونے دیکھے لوگ، داخل ہوتے اللہ کے دین میں فوج فوج۔

لڑکے نے کہا کہ جس طرح آپ نے پڑھا ہے اس طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں پڑھا جاتا ہے۔ مگر اب "یَدْخُلُوْنَ" دین میں داخل ہونے کا زمانہ نہیں۔ "یَخْرُجُوْنَ" دین سے نکلنے کا زمانہ ہے، حجاج نے لڑکے کو کہا کہ تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں۔ لڑکے نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک شیطان ہے قبیلہ بنی ثقیف سے۔ حجاج نے کہا تو کیسی گستاخی کرتا ہے میں تم کو مار ڈالوں گا۔ لڑکے نے کہا کہ موت ایک وقت آنی ہے ـــــ دیکھو اگلے وقت کے یہ لڑکے ہیں۔ اور یہ ہے ان کی استقامت ـــــ آج کل کے مولویوں کا حال قابل رحم ہے۔ اگلے وقت کے لوگ دین کے معاملے میں شیر تھے۔

حضرت حسن بصریؒ اپنے مریدوں کو فرمایا کرتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابہ کرامؓ تم کو دیکھتے کہ تم کس قدر دنیا کے کاموں میں منہمک ہو تو تمہیں مسلمان نہ سمجھتے۔ اگر تم انہیں دیکھتے تو تم ان کو دیوانہ سمجھتے۔ حضرت حسن بصریؒ تمہارے اسلام اور صحابہ کرامؓ کے اسلام میں کفر و اسلام کا فرق بتاتے ہیں۔

حضرت داؤد طائیؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ آپ ایک دن حضرت امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ اور انہیں عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ

مجھے تعلیم دو اور نصیحت کرو۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اے حضرت داؤد آپ مجھ سے زیادہ عالم ہیں، آپ نیک ہیں۔ میری نصیحت کی آپ کو کیا ضرورت ہے۔ حضرت داؤد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا مرتبہ بلند کیا ہے۔ آپ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ حضرت امام حسینؓ کے پوتے ہیں۔ اور حضرت بتولؓ کے پوتے ہیں۔ آپ کی شان جیسا کوئی نہیں۔ اس پر حضرت امام جعفر نے فرمایا کہ "اے داؤد میں اس فکر میں ہوں کہ قیامت کے دن اگر مجھے حضرت نانا صاحب یہ سوال کریں گے کہ میرا نواسہ ہو کر تو نے میری کونسی سنت ادا کی ہے۔ تو میں کیا جواب دوں گا۔ حضرت داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے اسوقت بہت گریہ کیا کیونکہ جب ابن رسولؐ کا یہ حال ہے تو داؤد کس باغ کی مولی ہے۔

جب بزرگانِ دین کے خوف کی یہ حالت ہے تو ہم کیوں مغرور ہیں۔ جن حضرات کو قرب الٰہی حاصل ہو ان پر خوف کا غلبہ رہتا ہے ؎

بزرگاں ازاں وحشت آلودہ اند　　که در بارگاہِ ملک بودہ اند

دیکھو جو لوگ بادشاہ کے قریب رہتے ہیں ان کو ہمیشہ جان کا خوف رہتا ہے۔ تم اس حقیقت کو کیا جانو۔ مسلمانو! خدا کا قرب حاصل کرو۔ داڑھیاں نہ منڈاؤ۔ تم کو کیا پٹی پڑھی ہے کہ تمہاری ضد داڑھی کے ساتھ ہے۔ تمہارے سب کام خلافِ سنت ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم فرمایا ہے۔ تم اس حکم کا الٹ کرتے ہو۔ داڑھی پر مشین پھرواتے ہو اور مونچھیں بڑی بڑی رکھتے ہو۔ مسلمانو! اگر تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طالب ہو تو آپؐ کی ہر سنت پر عمل کرو کیونکہ مَنْ ضَیَّعَ سُنَّتِیْ حَرَّمَ عَلَیْہِ شَفَاعَتِیْ۔ (جو سنت کو ضائع کرے گا اس پر عمل نہ کرے گا وہ آپ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

تعجب کا مقام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہ کریں اور اس کے باوجود شفاعت کی امید رکھیں۔ علم بغیر عمل کے تمہیں فائدہ نہیں دے گا۔ علم پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ علم تو شیطان کو بھی بہت ہے۔ مگر عمل درکار ہے۔　　والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

علماء دیوبند کا فہم دین

مشکوٰۃ شریف پڑھانے کی کئی بار سعادت نصیب ہوئی ہے۔ والحمد للہ اللھم زد فزد ولا تنقص پڑھاتے وقت مختلف مقامات پر کچھ یادداشتیں لکھیں اور لکھوائی ہیں چونکہ احقر نے مشکوٰۃ شریف خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ سے پڑھی ہے اس لئے ان یادداشتوں کا خیر التعلیقات نام رکھنا پسند آیا۔ کیا عجب اللہ تعالیٰ کسی وقت اس کو خیر باقی بنا کر اشاعت کی بھی توفیق عطا فرما دیں ـــــ اسی کا ایک اقتباس "علماء دیوبند کا فہم دین" کے عنوان سے بھیج رہا ہوں۔ امید ہے طلباء مشکوٰۃ شریف کیلئے باعث دلچسپی ہوگا۔

فضیلت ذکر کے سلسلہ میں باب الذکر بعد الصلوٰۃ کی ایک روایت ہے:

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلوٰۃ الغداۃ حتی تطلع الشمس احب الیّ من ان اعتق اربعۃ من ولد اسمٰعیلؑ ولان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلوٰۃ العصر الی ان تغرب الشمس احب الیّ من ان اعتق اربعۃ (رواہ ابوداؤدؒ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بیٹھوں ایسی قوم کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ صبح کی نماز سے لیکر یہاں تک کہ سورج نکل آئے۔ یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ اولاد اسمٰعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے میں چار کو آزاد کروں۔ اور یہ کہ میں بیٹھوں ایسے لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کریں عصر کی نماز سے یہاں تک کہ سورج غروب ہو جاوے مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں آزاد کروں چار کو ـــــ روایت کیا اس کو ابوداؤدؒ نے۔

حضرات صوفیاء کرامؒ کے حلقہائے ذکر | حضرات نقشبندیہؒ میں نماز صبح اور نماز عصر کے بعد حلقہ ذکر اور اسی طرح ختم خواجگان علیہم الرضوان کا جو طریقہ متقدمین سے رائج ہے اور بعض خلف صالحین اس پر اب تک قائم ہیں وہ اسی ترغیب نبوی کی حسین تعمیل ہے۔ رزقنا اللہ اتباعہم۔

بعض ظاہر بین کہتے ہیں کہ اگرچہ ذکر کی فضیلت روایات میں آئی ہے۔ لیکن اجتماعی طور پر اس کی فضیلت ثابت نہیں اور اس لئے وہ تمام صوفیاء کرامؒ کے اجتماعی طور پر ذکر کرنے کے طریقوں کو خلاف سنّت کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ روایت ہذا میں قوم یذکرون اللہ کے الفاظ سے ذکر کا بطور اجتماع کے ثابت ہونا ظاہر ہے۔

صاحب مرقاتؒ نے اس روایت کی شرح میں فرمایا ہے:

ولعل ذکر الاربعۃ لان المفضل مجموع اربعۃ اشیاء ذکر اللہ۔ والقعود لہ والاجتماع علیہ۔ والاستمرار بہ الی الطلوع او الغروب۔	چار غلاموں کو آزاد کرنے کی فضیلت شاید اس لئے ملی کہ اس نے چار نیکیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ایک، اسی کے لئے بیٹھ جانا دو، اکٹھے ہو کر اللہ کو یاد کرنا تین۔ اور طلوع شمس یا غروب شمس تک اس کو طول دینا چار۔

دیکھئے اشیاء اربعہ میں الاجتماع علیہ کو بھی خصوصیت سے ذکر کیا ہے اور اسے اضافہ فضیلت کا سبب قرار دیا ہے ۔ اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ محدث دہلوی نے بھی اسکی تصریح فرمائی ہے۔

اسی باب کی آخری روایت میں بھی ثم جلسوا یذکرون اللہ حتی طلعت الشمس کے الفاظ موجود ہیں حِلَق الذکر کو ریاض الجنۃ فرمانا اور فارتعوا کے ارشاد سے اس میں شرکت کا حکم روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ ملائکۃ طوافین وسیاحین کی روایت بھی مشہور و معروف ہے۔ ان تمام روایات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ ان اکابر کا سلفاً و خلفاً حلقہائے ذکر اور ختم خواجگانؒ پر کاربند رہنا خلاف سنّت ہے، بہت ہی عجیب بات ہے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ ذکر اسطرح اور ایسے وقت میں نہ ہو جس سے مسبوقین کی نماز میں خلل واقع ہو یا نفس جہر کو خاص طور پر اجتماعاً مقصود سمجھا جاتا ہو۔ (نہ کہ صرف دفع وساوس کا ذریعہ) فقہاء کرامؒ نے اسی طریق کی (بہ استثناء تکبیرات تشریق لانہا منصوص علیہا۔) اجازت نہیں دی۔ ہدایہ اور دوسری کتب فقہ میں ہے: لان الجہر بالتکبیر بدعۃ۔

صرف ہم نشینی بھی غنیمت ہے | حضرت الشیخ مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے لان ذکر مع قوم کی بجائے لان اقعد مع قوم کے الفاظ کا نکتہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ذکر کا درجہ تو بہت بلند ہے، ایسے وقت میں ان اہل ذکر کے ساتھ خاموشی کے ساتھ صرف بیٹھ جانا بھی حدیث مذکور میں بیان شدہ فضیلت کو حاصل کرنے کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔ جیساکہ دوسری روایت میں وارد ہے۔ اولئک القوم لا یشقی جلیسھم۔

ذکر صبح کی مزید فضیلت | روایت کے آخر میں ان اعتق اربعۃ کے ساتھ من ولد اسماعیل کا نہ ہونا بعض کے نزدیک اگرچہ استغنا بما مضی کے قبیل سے ہے کہ جب ایک دفعہ ذکر ہوچکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں رہی اور مراد یہی اربعۃ من ولد اسماعیل ہیں۔ لیکن بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں ذکر صبح کی مزید فضیلت پر دلالت پائی جاتی ہے کہ عصر کے ذکر سے تو اعتاق اربعہ اوازید کی فضیلت حاصل ہوتی ہے مگر صبح کے ذکر سے مطلق اربعہ نہیں بلکہ اربعہ من ولد اسماعیل کے اعتاق سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے۔

اعتاق ولد اسماعیل پر شبہ اور اسکے جوابات | اعتاق ولد اسماعیل پر شبہ یہ ہے کہ جب ولد اسماعیل کو غلام ہی نہیں بنایا جا سکتا۔ تو ان کو آزاد کرنے کے کیا معنی ہوئے۔ شراح حدیث نے اس کی مختلف توجیہہ کی ہیں

پہلی توجیہہ | مسئلہ مختلف فیہا ہے حنفیہ رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ سہی شوافع رحمۃ اللہ علیہم تو اس کے قائل ہیں حتی اکہ بروایت صاحب مرقات ابن حجرؒ نے تو اس روایت کو رقیت بنی اسماعیل کی اوضح دلیل قرار دیا ہے۔

دوسری توجیہہ | مراد یہ ہے کہ بفرض محال اگر ولد اسمٰعیل غلام ہوتے تو ان میں سے چار نفر کو آزاد کرنے کی جتنی فضیلت ملتی اس سے بھی اس وقت کے ذکر کی زیادہ فضیلت ہے۔ (مرقات عن ابن الملک رحمہا اللہ تعالیٰ۔

تیسری توجیہہ | فرض کرو کسی شبہ میں ولد اسمٰعیل کو غلام بنایا گیا۔ اب ان کو آزاد کرنے میں عام غلاموں کے آزاد کرنے کے مقابلہ میں جتنا زیادہ درجہ ہے۔ لکونہم من ولد اسمعیل وکلونہم مرقوقین بغیر الحق ان اوقات خاصہ میں ذکر کرنے سے اس سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے۔

چوتھی توجیہہ | اعتاق سے یہاں رقیت سے آزاد کرنا مقصود نہیں بلکہ مطلق مصائب شدائد دیرن اور دیگر تکالیف سے آزاد کرنا مراد ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف)

پانچویں توجیہہ | اسمٰعیل سے مراد یہاں علمی معنی نہیں بلکہ وصفی معنی مراد ہیں۔ تم کہتے ہو رائیت حاتما اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں نے بہت بڑے سخی آدمی کو دیکھا۔ اسمٰعیل کے وصفی معنی ہیں مطیع اللہ کے کمافی حاشیۃ الحص عن مجمع البحار۔ مقصد یہ نکلا کہ اسوقت کے ذکر کی فضیلت اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ کوئی بڑے ہی عابد زاہد اور مطیع فرمان خداوندی کے اولاد میں سے چار غلاموں کو آزاد کرے۔

چھٹی توجیہہ | مراد یہ ہو کہ اس قسم کے زیادہ قیمت والے چار غلام آزاد کئے جاویں جن کی قیمت ولد اسمٰعیل کی دیت کے برابر ہو یعنی بارہ بارہ ہزار درہم۔ کمافی حاشیۃ الحصن عن الحرز۔ یعنی اس وقت کے ذکر کا ثواب اڑتالیس ہزار درہم صدقہ کرنے سے بھی زیادہ ہے۔ واللہ اوسع من ذالک۔

ساتویں توجیہہ | ان توجیہات ستہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب وہ توجیہہ بھی سن لیجئے جو ہمارے اساتذہ اکابرین دیوبند کے ایک فرد فرید حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے بیان فرمائی ہے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ متقدمین میں سے کسی سے ماخوذ ہے یا خود ہی حضرت کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا ہے۔ بوادر النوادر میں بلا کسی حوالہ کے فرماتے ہیں:

"احادیث میں بعض اعمال کی فضیلت میں وارد ہے کہ مثل اعتاق بنی اسمٰعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہے اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ جواب یہ ہے کہ حریت ورق میں ولد باپ کا تابع نہیں ہوتا ماں کا تابع ہوتا ہے۔ تو اگر کسی قریشی نے جاریہ سے نکاح کر لیا تو اس کی اولاد اسمٰعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد بھی ہے اور رقیق بھی۔"

اس جواب نے درحقیقت شبہ کی جڑ کو ہی کاٹ دیا ہے۔ اور حنفی فریب کا اس روایت سے ادنیٰ سا تعارض بھی باقی نہ رہا اور نہ ہی کسی مجاز عقلی یا لغوی کے ارتکاب کی ضرورت پڑی۔ اللہ درمشائخنا الدیوبند بین ما ادق نظرھم وما افھمھم بدین المتین کثرھم اللہ سوارا واتباعا الی یوم الدین والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام۔ سید المرسلین وآلہ واصحابہ وازواجہ امھات المومنین وبارک وسلم۔

آٹھویں توجیہہ | یہ بھی امام العصر حضرت العلامہ مولانا سید انور شاہ صاحب الکشمیری احد علماء الدیوبندین کی کتاب فیض الباری سے ماخوذ ہے۔ اور وہ یہ کہ ولد اسمٰعیل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی مطلق مرقوقیت عند الحنفیہ ممنوع نہیں ہے بلکہ ممنوع عند الاحناف رجال عرب کا غلام بنانا ہے ان کی عورتیں اور اسی طرح ان کے ذراری نابالغ بچے سبایا بن سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ لفظ ولد سب کو شامل ہے۔

فیض الباری جلد ۳ صد ۳۶ میں رقمطراز ہیں:

قولہ وکانت سبیۃ منہم ای بنی تمیم عند عائشۃؓ فقال اعتقیہا فانہا من ولد اسمٰعیلؑ فیہ دلیل علی ان بنی تمیم من ولد اسمٰعیل وجملۃ الکلام ان البخاریؒ ان ادعی استرقاق العرب فی الجملۃ ای بعد وقوع السبی علیہم فہذا مسلم فانہ یجوز فی صبیانہم ونسوانہم وان ادعی الاطلاق والکلیۃ فلا نسلّمہ۔

اور اس سے پہلے فرمایا ہے:

باب من ملک من العرب رقیقا الخ ولا استرقاق عندنا فی بالغیہم غیر النسوان نعم وجدت فی الصحابۃؓ انہم کان لہم عبید بالغون من العرب ولکنہ لیس بفاصل ایضاً لانہ لایدری انہم استرقوہم صبیانا اوکانوا بالغین حین استرقوا ولا نزاع فی الاول والثانی غیر متعین۔

ان دونوں توجیہات نے درحقیقت شبہ کی جڑ ہی کو کاٹ کر رکھ دیا ہے جب ولد اسمٰعیل علےٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہونے کی مختلف صورتیں خود عند الحنفیہؒ بھی مسلّم ہیں۔ تو اب یہ روایت حنفی مذہب سے متعارض ہی کہاں رہی تاکہ کسی مجاز لغوی یا مجاز عقلی کے ارتکاب کی ضرورت پڑے۔

فللہ در مشائخنا الدیوبندیین ما ادق وما اوسع نظرہم وما افہمہم بالدین المتین صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل امتی کمثل المطر لایدری اولہ خیر ام آخرہ والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین وآلہ وازواجہ امہات المؤمنین وبارک وسلّم۔ ■■

مولانا مفتی امجد العلی صاحب کراچی -
سابق مہتمم مدرسہ مطلع العلوم رامپور

اعضاءِ انسانی سے پیوند کاری

تاریخ عالم اس امر پر شاہد ہے کہ ہر نیا دور اپنے ساتھ نئے نئے مسائل لیکر آتا رہا ہے ۔
چنانچہ دورِ حاضر میں بھی جدید تحقیقات نے ہماری زندگی کے ہر گوشہ میں نئے نئے مسائل لا کھڑے کئے ہیں جن میں فنِ جراحی وطبابت کی تحقیقات نے انسانی جسم وجان کی بقاء وحفاظت کے سلسلے میں ترقی کرتے ہوئے جدید طریقے ایجاد کر لئے ہیں، ظاہر ہے کہ ان جدید طریقوں کی ایجاد کے بعد علماء شرع کے لئے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے نقطہ نظر سے ان طریقوں کی حلت و حرمت واستعمال اعضاء انسانی کے جواز وعدم جواز کا حکم صادر کریں اور اس سے متعلقہ دیگر تمام جزئیات پر بھی بصورت حکم روشنی ڈالیں ۔

چنانچہ آج یہ صورت ہے کہ اگر کسی انسان کے جسم کا کوئی عضو ناکارہ ہو جائے تو کسی دوسرے انسان کے تازہ مردہ جسم سے اس جیسے عضو کو نکال کر دوسرے جسم میں جوڑ دیا جاتا ہے ۔

میرے خیال میں بعض حالات میں کامیابی اور ناکامی دونوں کا مساوی درجہ رہتا ہے ۔ اس تحقیقی سلسلہ نے لوگوں پر اچھا خاصہ اثر ڈالا ہے ۔ چنانچہ بعض لوگ جن کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اب ان کی زندگی کا چراغ گل ہو جانے والا ہے ۔ رفاہِ عام و حسنِ سلوک کی نیت سے اپنے اعضاء جسمانی کی کسی دوسرے ضرورت مند ایسے انسان کیلئے وصیت بھی کر جاتے ہیں جن کے متعلق ڈاکٹروں کو یہ خیال ہو کہ اعضاء کی پیوند کاری کے بعد دوسرا انسان اپنی زندگی قائم رکھ سکے گا ۔

اسی طرح ایک انسان کے خون کو دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کر دیا جاتا ہے ۔ تاکہ اُس کمی کو پورا کر دیا جائے جو دوسرے جسم میں واقع ہو گئی ہے ۔

اس مسئلہ پر اگر کوئی صاحب علمی اور تحقیقی انداز میں لکھنا چاہے تو الحق کے صفحات حاضر ہیں ۔ "س"

اس موقعہ پر ہم کو اس امر پہ غور کرنا ضروری ہے کہ کیا ایک انسان کے اعضاء سے دوسرے انسان میں پیوندکاری شریعت اسلامیہ کی نظر میں جائز ہے یا نہیں۔ پھر اسی جواز یا عدم جواز پہ اسکی وصیت کے مسئلہ کے حکم کا مدار ہوگا جو خود بخود طے ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں اوّلاً ہم کو حسب ذیل امور پہ غور کرنا ہوگا۔

۱۔ انسان کائنات کی دیگر تمام مخلوق کے مقابلے میں کیا درجہ رکھتا ہے۔؟

۲۔ کیا انسان اپنی تخلیقی حیثیت میں محض مالک و متصرف ہونے کا درجہ رکھتا ہے یا یہ کہ وہ دوسروں کے لئے تصرف کا محل بھی ہے۔؟

۳۔ کیا شریعت نے انسانی جسم و جان کو کائنات کی دیگر اشیاء کی طرح فطرۃً مال متقوّم قرار دیا ہے۔؟

امر اوّل | جب ہم قرآن حکیم پہ غور کرتے ہیں تو انسان کے احترام و اکرام کے سلسلہ میں سب سے اوّل ہمارے سامنے یہ ارشاد خداوندی آتا ہے: واذ قال ربك للملائكة انّي جاعل في الارض خليفة ۔ یعنی اور جس وقت آپ کے پروردگار نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں"

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی اطلاع دیکر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہوگا، اس کے واضح طور پہ یہ معنی ہیں کہ وہ کائنات میں منشاء خداوندی کے بموجب اُس تصرف کرنے کا حق رکھے گا۔ البتہ یہ تصرفات اس کے تعمیر کی حد میں محدود ہوں گے فساد اور تخریب کا حق اس کو حاصل ہوگا۔ اس آخر جملہ پہ قرآن کریم کی دوسری آیات دلالت کرتی ہیں، جن کا تذکرہ اس مقام پہ مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا۔

آیت مذکورہ بالا اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق ہے، جس کی بنا پہ بظاہر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیت میں نائب ہونے کا حکم محض حضرت آدم کیلئے مخصوص ہے باقی ان کی کا اس میں شامل ہونا عبارت سے واضح نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں ہم علامہ قاضی بیضاوی کا قول پیش کریں گے جو موصوف نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

تعمُّ النّاسَ كلّهُمْ فَاِنّ خَلْقَ آدَمَ وَاِكْرَامَهُ وَتَفْضِيْلَهُ عَلٰى سكّانِ مَلَكُوتِهٖ بِاَنْ اَمَرَهُمْ بِالسُّجُوْدِ لَهٗ اِنْعَامٌ يَعُمُّ ذُرِّيَّتَهٗ ۔ یعنی یہ حکم تمام انسانوں کو شامل ہے، کیونکہ ان کی تخلیق (کے بعد) ان کا اکرام و فضیلت اس طرح ظاہر فرمائی کہ اپنے تمام ساکنان ملکوت کو

تعظیم کرنے کا حکم دیا۔ یہ انعام حضرت آدم کی تمام ذریت کیلئے عام ہے۔

نیز علامہ بیضاوی کے اس تفسیری قول کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے۔ ھوالذی جعلکم خلائف الارض۔ اور فرمایا: امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض۔ یعنی اللہ کی وہ ذات ہے جس نے تم سب کو زمین پر نائب بنایا۔ کیا کوئی ایسا ہے جو پریشان کی دعا قبول کرے اور اسکی پریشانی کو دور کر دے اور تم کو اس نے زمین میں نائب مقرر کیا۔

چنانچہ حسب شہادت کتاب اللہ انسان زمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا نائب ہے۔ اور اس حیثیت میں ضروری ہے کہ جس ذات کا وہ نائب ہے اسکی پرتوئے صفات سے خود بھی متصف ہو۔ ہمارے اس بیان کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: یاداؤد انا جعلناک خلیفۃً فی الارض فاحکم بین الناس بالحق۔ اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے، پس تم لوگوں کے درمیان حق (وعدل) کا فیصلہ کرنا اور خود خداوند عالم کی شان بھی یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں میں حق وعدل کے ساتھ فیصلہ فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے: ان الحکم الا للّٰہ یقص الحق وھو خیر الفاصلین۔ حکم صرف خدا کیلئے ہے وہ حق بیان فرماتا ہے وفیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ والا ہے۔ اور فرمایا: قل اللہ یھدی للحق۔ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ حق وعدل کی ہدایت فرماتا ہے۔ اور فرمایا ہے: واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ فرما دیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی (صحیح) راستہ کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

اسی نقطۂ نظر کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: تخلقوا باخلاق اللہ۔ اپنے آپ کو اخلاقِ الٰہیہ سے متصف کرو۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ انسان زمین میں خلیفہ اللہ ہے، تمام کائنات کے مقابلے میں ایسے اعزاز واکرام کا حامل ہے جو خالقِ کائنات کا نائب ہونے کی حیثیت سے کیا جانا چاہئے۔ اور جسطرح خالق کائنات خود تمام کائنات کا مالک ومتصرف ہے اسی طرح انسان اس کی جانب سے مالک بنایا گیا ہے۔ مملوک نہیں!

اسی لئے انسانی تکریم کے سلسلہ میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے: ولقد کرمنا بنی آدم۔ بلاشبہ ہم نے بنی آدم کو مکرم ومعظم بنایا ہے۔ سورۂ اسراء آیت ۷۰ میں ابلیس کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے: قال ارأیتک ھذا الذی کرّمتَ علیَّ۔ کیا یہ وہ ذات ہے جسکو آپ نے

مجھ پر معزز فرمایا۔ اس آخری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان محض کائنات عالم کے حیوانات، نباتات، جمادات و دیگر مخلوق سماوی و ارضی سے ہی مکرم نہیں ہے بلکہ انسان جیسی دیگر ذی روح و نفس مخلوق جسکو خود انسان اپنے سے بالاتر قوتوں کا مالک تصور کرتا ہے، اس سے بھی مکرم و معزز ہے ۔۔۔

نیز کتاب اللہ میں انسان کی تکریم کو ایک دوسرے پیرائے میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کی بہترین اقوام کیساتھ تخلیق کی ہے۔ اور فرمایا ہے، صورکم فاحسن صورکم۔ سورہ تغابن ۳۔ ہم نے تم کو صورت عطا کی تو بہترین صورت عطا کی۔ ظاہر ہے کہ جو صورت کشی ایک مصوّر کے فنِ صورت کشی کا شاہکار ہو مصوّر خود اس کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہے اور دوسروں سے بھی اس عزت اور وقار کا خواہش مند ہوتا ہے۔ چونکہ آیات مذکورۂ صدر کی صراحت سے انسان اسکی قدرت کا بہترین شاہکار ہے۔ اس لئے خداوند تبارک وتعالیٰ کو کسی طرح اسکی تحقیر و تذلیل گوارہ نہیں۔

۷۔ چونکہ انسان اپنی تخلیقی حیثیت میں مالک ہی ہے کائنات میں کسی کا مملوک بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا حتیٰ کہ باختیار خود ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا محل تصرف نہیں قرار دے سکتا۔ البتہ ایسا تصرف انسان کی طرف سے اسوقت کیا جاسکتا ہے جبکہ مالک حقیقی و متصرف کائنات کی جانب سے اسکو بطور نیابت کے ایسا کرنے کا حق دیا گیا ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں حسب ذیل آیات اس امر کی شاہد عادل ہیں کہ انسان کو جمیع کائنات میں تصرّف کا حق دیا گیا ہے۔ اور وہ ان میں ایک مالک کی حیثیت سے تصرف کرسکتا ہے۔ فرمایا ہے: وخلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ (سورۃ البقر ۲۹) اور فرمایا ہے: الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض جمیعًا۔ سورۂ حج ۶۳۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارضی کائنات کو تمہارا مسخر کردیا ہے۔" اور سورہ نحل کی کثیر آیات میں اس کائنات میں تصرف کی تفاصیل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ فرمایا ہے: اللہ جعل لکم من بیوتکم سکناً وجعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونها یوم ظعنکم ویوم اقامتکم ومن اصوافها واوبارها واشعارها اثاثاً ومتاعا الی حین۔ الآیۃ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو سکون حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا اور چوپایوں کی کھالوں سے تم خیمے تیار کرتے ہو جنکو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف آسانی سے لے جاتے ہو۔ سفر کی حالت ہو یا قیام کی ہر حالت میں نہایت سبک ہوتے ہیں اور چار پایوں کی اون اور بالوں سے

کتنے ہی مفید اشیاء جو ایک خاص وقت تک کام میں لاتے ہو"
مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان اُن تمام حیوانات سے جو کائنات ارضی پر پیدا کئے گئے ہیں ان کے ماسوا جنکو کتاب اللہ نے مخصوص طور پہ حرام فرمایا ہے ہر قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے حتیٰ کہ ان کی کھالوں، بالوں، ریشوں، ہڈیوں تک سے انتفاع کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء امت نے جانوروں کے اجزاء جسمانی سے انتفاع بصورت علاج جائز قرار دیا ہے، ماسوا خنزیر (سؤر) کے، اس لئے کہ اسکو خود کتاب اللہ میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آیت سابقہ و دیگر آیات سے یہ ثابت ہے کہ انسان تمام ارضی و سماوی مخلوقات میں متصرف کی حیثیت رکھتا ہے اور کائنات کی ہر شے انسانی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ انسان بذاتِ خود مال نہیں بلکہ دوسری تمام مخلوق اس کے حق میں مال کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی بنیاد پر امت کے فقہاء نے اس امر پہ اتفاق کیا ہے کہ انسان قیمتی مال نہیں، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتاب ہدایہ میں کہا گیا ہے: فنقول البیع بالمیتۃ والدم باطل وکذا بالحر لانعدام رکن البیع وھو مبادلۃ المال بالمال فان ھذہ الاشیاء لا تعد مالاً عند احدٍ۔ اسی مقام کے حاشیہ میں کہا گیا ہے: اے ممن لہ دین سماوی "- یعنی ہم کہتے ہیں کہ مردار اور خون کی بیع باطل ہو گی اسی طرح آزاد انسان کی بیع باطل ہو گی کیونکہ بیع کا رکن ان میں موجود نہیں اور وہ یہ کہ بیع میں مال کا تبادلہ مال سے ہو اور یہ اشیاء کسی کے نزدیک مال نہیں ہیں۔

حاشیہ میں لکھا ہے کہ کسی کے نزدیک مال نہیں۔ اس جملہ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو آسمانی دین رکھتے ہوں، یعنی اہلِ کتاب میں سے کسی کے نزدیک انکی مذہبی حیثیت سے یہ مال نہیں ہیں۔

پھر دوسرے مقام پہ اسی مقام پہ کہا گیا ہے: ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الانتفاع بہ لان الآدمی مکرم لا مبتذل فلا یجوز ان یکون شئ من اجزائہ مھاناً مبتذلاً۔ یعنی انسان بالوں کی خرید و فروخت اور اُن سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ آدمی مکرّم ہے نہ قابلِ تذلیل لہٰذا یہ کسی طرح جائز نہ ہو گا کہ اس کے اجزاء میں سے کوئی جز قابلِ اہانت و تذلیل ہو۔

ہاں اگر انسان کی ذات میں تصرف کا حق کسی کو ہے تو وہ خود ذاتِ خداوند تبارک و تعالیٰ ہے۔ چنانچہ بعض حالات میں خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے تصرف فرماتے ہوئے دوسرے انسانوں کو اس تصرف کے نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔ صرف ان مواقع میں انسان بحیثیت ایک وکیل کے وہ تصرف کرے گا، خواہ یہ تصرف جسمانی ایذا رسانی کی شکل میں ہو یا اس کے جسم و جان دونوں پہ

وسعت اندازی کی صورت میں ہو۔ یا کسی دوسری صورت میں ہو۔ چنانچہ جب بھی اُن حالات وعوارض کا اسکی ذات سے ازالہ ہوگا، انسان اپنی اصل فطرت کی جانب رجوع کر جائیگا۔ اس بیان کی وضاحت کیلئے آیات ذیل ملاحظہ فرمائیں: وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص۔ سورہ مائدہ۔ یعنی ہم نے انسانوں پر آپس میں یہ لازم کر دیا ہے کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے عوض ناک، کان کے عوض کان، دانت کے بدلے دانت اور زخم لگانے میں قصاص (بدلہ) لیا جائے۔ اور فرمایا ہے: الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مأتہ جلدۃ۔ یعنی زانیہ عورت وزانی مرد ہر دو پر فرداً فرداً سو دُرّے لگائے جائیں۔ اور ارشاد ہے: ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ماملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات۔ سورۃ النساء۔ ۲۴۔ جو شخص تم سے آزاد پاکدامن عورت سے نکاح کرنیکی طاقت نہیں رکھتا تو وہ تم میں سے کسی کی مملوکہ مؤمنہ لونڈی سے نکاح کرے۔ اور فرمایا: ضرب اللّٰہ مثلاً عبداً مملوکاً لا یقدر علی شیئ الآیہ۔ یعنی اللّٰہ تعالیٰ ایک مملوک غلام کی مثال بیان کرتا ہے جو کسی تصرف پہ قدرت نہیں رکھتا۔ (مالک نہیں ہوتا)

چنانچہ مذکورہ بالا آیات میں پہلی آیت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ انسان کے جسم وجان میں خود خداوند جل وعلا تصرف فرماتے ہوئے اس کے نفاذ کیلئے اپنے بندوں کو اپنی جانب سے اپنا نائب مقرر فرما رہے ہیں۔

دوسری آیت اس امر پہ دلالت کرتی ہے کہ کسی انسان کی جسمانی اذیت کی شکل میں تصرف کرنے کا حق بھی انسان کو اللّٰہ تعالیٰ ہی کی جانب سے عطا کیا گیا ہے۔ خود انسان کو بذاتِ خود کسی دوسرے انسان کے جسم کی اذیت رسانی کا حق حاصل نہیں۔ آخر کی دو آیات اس امر کی دلیل ہیں کہ انسان مرد ہو یا عورت اس کا کسی دوسرے انسان کا غلام یا لونڈی ہو کر مملوک ہونا بھی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ کی جانب اور اس کے حکم وتصرف سے ہے۔ اور درحقیقت یہ اس امر کی سزا ہے کہ انسان خدا کی واحدانیت والوہیت کا انکار کرتے ہوئے خدا کے مقابلہ میں باغیانہ روش اختیار کرتا ہے۔ اور پھر خدا اور اس کے رسولوں پہ ایمان لانے والوں سے اس طرح مقاتلہ ومجادلہ کرتا ہے کہ اہل حق کی جان ومال اہل وعیال کچھ اس کے ہاتھ سے محفوظ نہیں رہتے۔ لہٰذا اسکی سزا میں اللّٰہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک وخلافت کے مرتبہ سے مردود قرار دیدیا جاتا ہے۔ اور پھر انسان

کے ماسواء کائنات کی دیگر اشیاء میں جن میں انسان کو ہر طرح تصرف کا حق دیا گیا، داخل ہو جاتا ہے۔
غور کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا: انی جاعلك للناس اماماً۔ میں تم کو لوگوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں یا کر رہا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس موقعہ پر عرض کیا: قال ومن ذریتی۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اور میری اولاد میں سے۔؟ ارشاد خداوندی ہوا: لاینال عهدی الظالمین۔ ظالم انسانوں کے لئے میرا یہ وعدہ نہیں ہے۔

لیکن جب اور جسوقت انسان کی ذات سے خدا کے مقابلے میں بغاوت و شرک کی صفت کا ازالہ ہوگا اور اسکی بجائے صفت ایمان سے متصف ہوگا۔ وہ اپنی فطری حریت (آزادی) وحق مالکانہ کی جانب رجوع کر جائے گا اور اس امر کا مستحق ہو جائے گا کہ اس سے قبل اگر وہ کسی کا مملوک تھا۔ تو اب اسکو آزاد کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کے فقہاء نے بالاتفاق مسلم انسان کو غیر قیمتی مال قرار دیا ہے۔ یعنی دیگر اشیاء کی مثل اسکو مال کا درجہ نہیں دیا۔ علامہ سرخسی نے مبسوط میں لکھا ہے: اذا اشترى الرجل من الرجل عبدين صفقةً واحدةً بالف درهم فاذا احدهما حرٌّ، فالبيع ماسدٌ فيهما، فاذا لم يسمى لكل واحد منهما ثمناً فظاهر، لان الحر لايدخل فی العقد لان دخول الشئ فی العقد بصفة المالية والتقوم وذلك لايوجد فی الحر" - یعنی جب ایک شخص دوسرے شخص سے ایک معاملے بیع میں (سودے میں) مجموعی طور پر دو غلام خریدے۔ بعدہٗ ان دونوں غلاموں سے ایک حُر ثابت ہو تو دونوں میں بیع کا معاملہ فاسد ہو جائے گا، اور جس صورت میں ان دونوں غلاموں کی قیمت علیحدہ علیحدہ بیان نہ کی گئی ہو تو ظاہر ہے کہ یہ حکم مذکور بطریقہ اولیٰ مرتب ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حُر (آزاد انسان) بیع میں داخل نہیں ہو سکتا، کیونکہ عقد میں داخل ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ وہ شئی قیمتی مال ہو اور آزاد انسان میں یہ امر (قیمتی مال ہونا) موجود نہیں۔

نیز امام سرخسی نے شرح سیر کبیر میں فرمایا ہے: ثم المسلم مصون عن اذلال الكافر اياه شرعاً وفی تبديل صفة المالكية الى المملوكية اذلال وفی استخدامه قهراً واستدامة الملك فيه اذلال ايضاً فيصان المسلم عن ذلك بان يجبر الكافر على بيعه - الخ۔
یعنی یہ جائز نہیں کہ کوئی مسلم کسی غیر مسلم کا غلام ہو سکے، اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلم پر قہراً وجبراً قابو حاصل کر کے اسکو غلام بنائے تب بھی یہ مسلم غلام نہ ہوگا، اور مسلمان حاکم یا مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ اُس غیر مسلم کے قبضہ سے اُس مسلم کو چھڑالیں۔

(باقی آئندہ) ■■

جناب اختر راہی۔ ایم۔ اے

حضرت عیسیٰؑ جو صحیفۂ ربانی لائے تھے اس کے بارے میں تاریخ بالکل ساکت ہے۔ ان کے رفع الی السماء کے بعد حواری عام عقیدہ کے مطابق ان کی واپسی کے منتظر تھے اور ان کے لئے جدائی نہایت شاق گذر رہی تھی۔ اس "انتظار" میں انجیل کی ترتیب و تدوین کی طرف توجہ دی جا سکی، بعد میں کلیسا غیر یہودی اور یہودی عناصر کی رزم گاہ بن گیا تو ہر ایک گروہ نے اپنے مقصد و مدعا کے مطابق انجیل کی ترتیب و تدوین شروع کر دی۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق اناجیل کی تعداد بڑھتے بڑھتے ۳۴ تک پہنچ گئی۔ یہ اناجیل درحقیقت حضرت عیسیٰؑ کی سوانح تھیں جو مروّجہ روایات سے ماخوذ تھیں۔ اناجیل کی تعداد میں دن بدن اضافہ کلیسا کے لئے باعث پریشانی تھا۔ آخر شہنشاہِ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں NICAEA کے مقام پر ایک کانفرنس طلب کی تاکہ اناجیل کی بڑھتی ہوئی تعداد اور کلیسا کے اختلافات کو کم کیا جائے اور ایک مشترکہ مذہب رائج ہو۔ کانفرنس میں ۲۰۴۸ مندوبین نے شرکت کی لیکن بحث و جدال نے اس قدر طول کھینچا کہ ۱۷۳۰ مندوبین کو کانفرنس سے باہر نکال دینا پڑا۔ ۳۰۸ جو باقی رہ گئے ان کے پاس بھی اناجیل میں ایک کو دوسری پہ ترجیح کا کوئی معیار نہیں تھا۔ "انتخاب" کا حل یہ نکالا گیا کہ ایک رات جملہ کتابوں کو فرش پہ بکھیر دیا گیا۔ صبح آکر دیکھا تو چند کتابیں اور خطوط میز پہ دھرے ہوئے تھے۔ ان صحائف کو مقدس سمجھ کر چن لیا گیا۔ اور باقی کو مسترد کر دیا گیا۔ کونسل کی روداد میں لکھا ہے کہ :

"جو کچھ ان تین سو پادریوں نے بالاتفاق فیصلہ کر لیا اُسے خدا کی خوشنودی تصوّر کرنا چاہیئے۔ بالخصوص اس لئے کہ ان قابل ہستیوں کے دل میں روح القدس سمایا ہوا تھا جس نے ان کی خدا کی رضا کی طرف راہنمائی کی۔"

HISTORICAL VIEW OF THE COUNCIL OF NICAEA

— Rev. Issac Boyle

یہ ہے عہد نامۂ جدید کا انتخاب، جس میں اناجیل اربعہ (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) رسولوں کے اعمال، پولوس، یعقوب، پطرس، یوحنا اور یہوداہ کے خطوط اور مکاشفاتِ یوحنا شامل ہیں۔

اناجیل اربعہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے حالات کا اہم ماخذ ہے، اور قرآنِ حکیم میں بھی ان کی زندگی کے کچھ خطوط ملتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کی مندرجہ ذیل صورتوں میں ان کا ذکر موجود ہے۔

البقرہ، آلِ عمران، النساء، المائدہ، الانعام، التوبہ، مریم، المؤمنون، الاحزاب، الشوریٰ الزخرف، الحدید اور الصف۔

حضرت مریمؑ | قرآنِ حکیم میں حضرت مریمؑ کی والدہ کو امراۃ عمرانؑ کہا گیا ہے۔ اور حضرت مریم کے لئے اخت ہارونؑ اور بنت عمرانؑ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ بعض مفسّرین نے "امراۃ عمران" سے مراد "عمران کی بیوی" لیا ہے۔ اور حضرت مریمؑ کا ایک بھائی ہارون نامی بتایا ہے۔ لیکن اس امر کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ مفسّرین کے دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ "عمران" حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ کے والد کا نام تھا جسے بائبل میں "عمرام" کہا گیا ہے۔ "امراۃ عمران" سے مراد آل عمران کی ایک عورت ہے۔ اس سلسلے میں یہ روایت بھی تقویت کا باعث بنتی ہے کہ حضرت یحییٰؑ کی والدہ اور حضرت مریمؑ کی والدہ باہم رشتہ کی بہنیں تھیں۔ انجیل لوقا میں ایک تصریح ہے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت ہارون کی اولاد سے تھیں۔

آج ہمارے پاس حضرت مریمؑ کا کوئی نسب نامہ نہیں لیکن اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ان کا تعلق بنی اسرائیل کے خاندانِ کہانت سے تھا اور کہانت کا تعلق حضرت ہارون کے خاندان سے تھا۔ اس لئے دوسری رائے ہی درست ہے۔ عربی زبان میں اب، اخ، اخت تمام الفاظ وسیع معنوں میں مستعمل ہیں۔

مسیحی روایات کے مطابق حضرت مریمؑ کی والدہ کا نام حنّہ (HANNAH) اور والد کا نام یہوآخیم (JOACHIM) ہے۔ ابن حیان اندلسی (م ۷۵۴ھ) نے اپنی تفسیر بحر المحیط میں لکھا ہے کہ شام میں ایک کلیسا، کلیسائے حنہ کے نام سے مشہور ہے اور ان کی قبر دمشق میں ہے۔[۴]

یہود میں رسم چلی آرہی تھی کہ وہ اکثر اپنی اولاد کو ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کی خدمت اور مجاوری کے لئے وقف کر دیا کرتے تھے، چنانچہ حنّہ نے اپنے ہونے والے فرزند کو ہیکل سلیمانی کی خدمت کیلئے وقف کر دیا لیکن جب فرزند کی بجائے حضرت مریمؑ پیدا ہوئیں تو ان کی ماں نے بصد حسرت و یاس بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ آرزو لڑکے کی تھی لیکن لڑکی پیدا ہوئی۔ نذر کسطرح پوری ہو سکتی ہے؟ یہودی قانون کے مطابق لڑکی

یہ خدمت انجام نہیں دے سکتی تھی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کو قبول کر لیا۔ لڑکی کا نام مریمؑ رکھا گیا۔ سریانی زبان کے اس نام کا مطلب "خادم" ہے۔ [۵]

تین سال کی عمر میں حضرت مریمؑ کو ہیکل پہنچا دیا گیا۔ ہیکل کے تمام خدام خوش تھے، ان میں سے ہر ایک حضرت مریمؑ کی کفالت کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ فیصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ ان کی کفالت کی ذمہ داری کس پر ڈالی جائے۔ بالآخر قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام پڑا۔ زکریاؑ کا ذکر اناجیل اربعہ میں سے صرف لوقا نے کیا ہے۔

"یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں سے زکریا نام کا ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے۔ [۶]"

یہودی عبادت گاہوں میں مجاوروں اور خدام کے لئے حجرے اور زاویے بنائے جاتے تھے۔ زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا اور وہیں ان کی پرورش ہوئی۔

ولادت عیسیٰؑ حضرت مریمؑ کی زندگی عبادت و ریاضت میں گزر رہی تھی۔ ایک روز حضرت مریم مسجد اقصیٰ کے مشرقی جانب بیٹھی تھیں کہ اچانک ایک بشر صورت نمودار ہوا۔ حضرت مریمؑ گھبرا گئیں اور کہا کہ اگر تو خدا ترس ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں۔ بشر صورت فرشتے نے کہا۔ "اے مریمؑ! گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میں خدا کا فرستادہ ہوں اور تجھے فرزند کی خوشخبری دیتا ہوں"۔ یہ سنتے ہی حضرت مریمؑ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور اپنی حیرت کا اظہار یوں کیا: "مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکاری ہوں"۔ فرشتے نے کہا تیرے پروردگار کا حکم ایسا ہی ہے کہ تجھے لڑکا عطا کرے گا۔ اور اس لڑکے کو کائنات کے لئے "نشان" بنائے گا۔

یہودی روایات کے مطابق حضرت مریمؑ اس وقت کنواری اور نا کتخدا تھیں، البتہ ان کی منگنی قبیلہ آل داؤد کے ایک نوجوان یوسف نامی سے ہو چکی تھی جن کے ہاں چوب سازی کا کاروبار ہوتا تھا۔ انجیل کا بیان ہے کہ "جبریل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا، ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ [۷]" متی کے بیان کے مطابق اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ [۸]

بشارت کے جلد ہی بعد مریمؑ کو اس بچے کا حمل ہو گیا۔ دن جوں جوں گزرتے جا رہے تھے ان کے

اضطراب اور پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا کہ اس عجیب واقعہ پر قوم بہتان تراشے گی جب کہ وہ اس راز کی حقیقت سے ناآشنا ہے۔

اسی خدشے کے پیشِ نظر حضرت مریمؑ ہیکل سے نکل کر بیت لحم چلی گئیں، ہیکل سے نو میل دور کوہ سراۃ (ساعیر) کے ٹیلے پر پہنچ گئیں۔ دردِ زہ کی تکلیف و آزمائش اور غیر معمولی اضطراب کے خوف سے کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور آنے والی ساعتوں کا انتظار کرنے لگیں۔ پریشانی میں پکار اٹھیں: "کاش میں اس سے پہلے ہی مر چکی ہوتی اور میرا نام و نشان نہ رہتا۔"

حضرت عیسیٰؑ متولد ہوئے اور حضرت مریمؑ نوزائیدہ بچے کو لیکر قوم کے پاس گئیں۔ لوگ چہ مگوئیاں کرنے لگے اور انہوں نے کہا:

"اے مریم! یہ تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ کوئی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار عورت تھی۔"

اس پر حضرت بحکمِ خداوندی کچھ نہ بولیں اور بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے تعجب سے کہا: "ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے" —— بچے کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی عطا کی اور وہ بول اٹھا۔ "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔ اور بابرکت کیا خواہ میں کسی جگہ رہوں نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں، اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا۔ مجھے جبّار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جب میں پیدا ہوا اور جب میں مروں اور زندہ کر کے اٹھایا جاؤں۔"[۹]

قوم شیر خوار بچے کی زبان سے یہ کلام سن کر حیرت زدہ رہ گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ مریم پاک دامن ہے اور یہ بچہ اللہ کا نشان ہے۔ حیرت انگیز بچے کی شہرت دور و نزدیک پھیل گئی۔ کچھ لوگوں نے اس بچے کو یمن و سعادت کا ذریعہ سمجھا اور کچھ شریر لوگوں نے اپنی راہ میں رکاوٹ خیال کیا۔ تاہم حق و باطل اور خیر و شر کی آویزش میں اللہ تعالیٰ نے اس کی پرورش کا انتظام کر دیا۔

"ابنِ مریمؑ اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشان بنایا اور ان کو ایک سطحِ مرتفع پر رکھا جو اطمینان کی جگہ تھی اور چشمے اس میں جاری تھے۔"[۱۰]

مسیحی روایات کے مطابق حضرت مریمؑ کو حضرت عیسیٰؑ کی حفاظت کے لئے دو بار وطن چھوڑنا پڑا۔ پہلے، ہیرودیس بادشاہ کے عہد میں وہ انہیں مصر لے گئیں اور اسکی موت تک وہیں رہیں۔ پھر آرخلاؤس کے عہدِ حکومت میں ان کو گلیل کے شہر ناصرہ میں پناہ لینی پڑی۔[۱۱]

یہود کی حالت حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کے وقت یہودی جہالت، شرکیہ رسوم اور بدعات اپنائے ہوئے تھے۔ توحید کو بھلا بیٹھے تھے۔ دولت کی ہوس نے باہمی سرپھٹول اور عداوت پیدا کر دی تھی۔ احبار و رہبان اس حد تک دنیا پرست ہو گئے تھے کہ وہ خود ساختہ کہانیوں اور قصّوں کو من جانب اللہ کہہ کر پیش کرتے اور بنی اسرائیل بلاچون وچرا ایمان لے آتے۔ دنیا کی لذات کی خاطر حرام و حلال کے قوانین تک کو بدل ڈالا۔ اور قوانینِ الٰہی کو مسخ کر دیا۔

سفاکی اور بہیمیت کا یہ عالم تھا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالا۔ اس دور میں حضرت عیسیٰؑ سنِ شعور کو پہنچے اور رشد و ہدایت کے نصب پر فائز ہوئے۔ راہبوں کی خانقاہوں اور امراء کے محلوں میں آوازہ حق بلند کیا اور وحدتِ خداوندی کی مشعل روشن کی۔ "خدا کی بادشاہت" کا مژدہ سنایا۔

معجزاتِ عیسیٰ ابنِ مریمؑ کو انبیائے سابقہ کی طرح معجزات عطا کئے گئے۔ ان کے چار معجزوں کی طرف قرآنِ حکیم اشارہ کرتا ہے۔[۱۲]

۱۔ خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

۲۔ مادرزاد اندھوں کو بینا اور جذامی کو اس کے مرض سے نجات دیتے تھے۔

۳۔ مٹی کے پرندے بنا کر اس میں پھونک مارتے تو خدا کے حکم سے ان میں روح پڑ جاتی تھی۔

۴۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کس نے کیا کھایا، کیا خرچ کیا اور کیا گھر میں محفوظ رکھا ہے۔

پرندوں کی تجسیم کے معجزے کا ذکر مروّجہ اناجیل اربعہ میں نہیں ہے۔ لیکن جو انجیل کلیسائے قبط (مصر) COPTIC CHURCH کی مستند ہے۔ اس میں صاف مذکور ہے۔ ڈاکٹر بج (BUDGE) نے اپنی کتاب LEGENDS OF OUR LORD MARY کے مقدمہ ص۲۹ میں نقل کیا ہے کہ "وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنا دیتے تھے جو اڑ سکتے تھے۔"[۱۳]

مادرزاد اندھوں کو بینا کر دینا حضرت عیسیٰؑ کا دوسرا معجزہ ہے۔ اس معجزے کا اناجیل میں متعدد مقامات پر ذکر ہے۔[۱۴]

کوڑھیوں کو تندرست کرنے کا ذکر دو جگہ ہے۔[۱۵]

مردوں کا احیاء انجیل میں مرقوم ہے۔[۱۶]

ان معجزات کو دیکھ کر یہود نے انہیں جادوگر اور شعبدہ باز کہنا شروع کیا۔ یہودی مؤرخ جوزیفس (م ۱۰۰ء) نے اپنی تاریخ "آثارِ یہود" میں ان کا ذکر جادوگر کی حیثیت سے ہی کیا ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں بھی اسی خیال کا اظہار کیا گیا ہے۔

تعلیماتِ عیسیٰؑ | انبیائے کرام کی تعلیمات کی غایت ایک ہی تھی اور وہ صرف یہ کہ راہ گم کردہ لوگوں کو اللہ کا پیغام سنایا جائے اور انہیں خدائی اطاعت کا سبق دیا جائے۔

حضرت عیسیٰؑ نے کسی نئے مذہب کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اسی دین کی دعوت دی جو حضرت موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء لائے تھے۔ رائج الوقت اناجیل میں بھی اسکی واضح شہادت موجود ہے۔ متی کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے پہاڑی وعظ میں کہا:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"۔ [۱۸]

اسی طرح "آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسا[ن] ہے"۔ [۱۸] انجیل کی زبان میں "شریعت" سے مراد شریعتِ موسوی ہی ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے توحید، رسالت، کتاب، ملائکہ اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ آج بھی اناجیل کے محرّف ہو جانے کے باوجود ان عقائد کی جھلک پائی جاتی ہے۔ برائیوں [سے] اجتناب اور نیکیوں کے اختیار پر زور دیا گیا۔ اور خدا کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی [تلقین] کی گئی۔

حضرت عیسیٰؑ نے اپنی دعوت کا آغاز ناصرہ سے کیا ہے۔ پہلے مرحلے پر بھائی بند اور [illegible] مخالفت پر اتر آئے۔ یہودیوں نے بحیثیتِ قوم سرکشی اختیار کی اور کج روی کی بناء پر اس پاکیزہ تعلیم کو [illegible] دیا۔ بس مٹھی بھر جماعت نے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کو درست سمجھا اور اپنی زندگی ان کے مطابق [illegible] دی۔ قرآن ان لوگوں کو "حواری" کے لقب سے پکارتا ہے۔ بائبل میں ان کے لئے "شاگردوں" ا[ور] [illegible] جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

تین سال تک تبلیغ جاری رہی لیکن یہودی اپنی خباثت اور کج روی کی بناء پر مخالفت پر [illegible] رہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا: "نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا"۔ [۱۹]

یہود کی سازش | یہودی راہنماؤں نے حکمرانِ وقت کو ان کے خلاف بھڑکانا شرو[ع] [illegible] پہلے اپنی مذہبی عدالت میں ان پر مقدمہ چلا کر واجب القتل قرار دیا۔ پھر رومی عدالت میں یہی عمل [illegible] حضرت عیسیٰؑ اور ان کے مخالفین کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبے فلسطین میں پیش آیا تھا۔ [illegible] وقت رومی سلطنت کا حصہ تھا۔ البتہ مقامی باشندے نیم خود مختاری و آزادی رکھتے تھے۔ [illegible] رومہ کی طرف سے شام کا وائسرائے نامزد کیا جاتا تھا۔ یہودیوں کو پرسنل لاء کی آزادی حاصل [illegible]

اپنے مقدمات خود فیصل کرتے تھے۔ تاہم سزا کے نفاذ کے لئے انہیں مجرم کو ملکی عدالت میں پیش کرنا پڑتا تھا۔

چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر کے رومی وائسرائے کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ وہ ان کی امتیازی اور اعلیٰ سیرت و کردار سے متاثر ہوا۔ اگر اس کے بس کی بات ہوتی تو وہ حضرت عیسیٰؑ کو مجرم نہ گردانتا۔ لیکن یہودی کاہنوں کے دباؤ نے اُسے مجبور کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دیدے۔ نے ایک گلاس پانی منگوا کر ہاتھ دھوئے اور ہجوم کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم گواہ رہو میں اس بے گناہ کے خون سے بری ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دینے والوں کے حوالے کر دیا۔

اناجیل اربعہ کی روایات کے مطابق انہیں نہایت کسمپرسی کے عالم میں صلیب پر چڑھایا گیا۔ اور صلیب پر ان کی موت واقع ہوئی۔ تدفین کے تیسرے روز جی اٹھے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب نہ دی جا سکی بلکہ صلیب دینے والوں پر یہ معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ عیسائیوں کا ایک قدیم فرقہ باسیلیدیہ (BOSILIDIOUS) اسلامی نقطۂ نظر کا حامل تھا۔

ـــــ ماخذ و حوالہ جات ـــــ

ؑ۱ آل عمران - ۳۵
ؑ۲ مریم - ۲۸
ؑ۳ التحریم - ۱۲
ؑ۴ تفسیر ماجدی ج اوّل ص۱۳۰
ؑ۵ فتح الباری ج ۶ ص۳۵۶ منقولہ قصص القرآن ج ۴
ؑ۶ لوقا ۱-۵
ؑ۷ لوقا ۱ : ۲۶ - ۲۷
ؑ۸ متی ۱ : ۱۸
ؑ۹ مریم : ۳۰ - ۳۱
ؑ۱۰ المومنون : ۵۰
ؑ۱۱ متی ۲ : ۱۳ - ۲۳
ؑ۱۲ آل عمران : ۴۹
ؑ۱۳ تفسیر ماجدی ج اوّل ص۱۳۵
ؑ۱۴ متی ۹ : ۲۷ - ۳۰ ، مرقس ۸ : ۲۲ - ۲۵ ، یوحنا ۹ : ۱ - ۷
ؑ۱۵ متی ۸ : ۱-۳ ، لوقا ۱۷ : ۱۱-۱۴
ؑ۱۶ لوقا ۷ : ۱۱-۱۶ ، متی ۹ : ۱۸ - ۲۵
ؑ۱۷ متی ۵ : ۱۷
ؑ۱۸ لوقا ۱۴ : ۱۷

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی
خطیب جامع مسجد حضرو

رواداری اور بے تعصبی کا مظہر اتم

اقبال مرحوم نے غازیٔ اسلام سلطان میسور حضرت ٹیپو شہید کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔ ع مشرق اندر خواب او بیدار بود

گہری نظر سے دیکھنے والا محسوس کریگا کہ شاعر مشرق نے کتنا صحیح تجزیہ کیا ہے۔ یورپ کے بساطی اور خردہ فروش تاجر بدقسمت انڈیا کو ہڑپ کرنے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے، ایسے عالم میں واحد سلطان ہی تھا جس نے مستقبل کو بھانپا اور ہر ممکن تدابیر اختیار کیں تاکہ وطن عزیز غیروں کے قبضہ میں نہ جائے لیکن صادق دپورنیا جیسے غداران ازلی کی نمک حرامی نے سلطان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔ میسور کی چوتھی جنگ کے آخری دن جب شہید ملت نے محسوس کر لیا کہ وہ یکہ وتنہا ہے اور نمک حرام کارندے دشمن سے مل چکے ہیں تو اس نے ان دشمنان ملک وملت پر آخری بار مایوسانہ نگاہ ڈالی اور کہا؛

"اس غداری اور بے وفائی کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا جب تم اور تمہاری نسلیں ایک ایک دانہ چاول کو ترسیں گی۔ اور دنیا میں نہایت ذلت ونکبت کی زندگی بسر کریں گی۔"

آخری وقت میں سلطان شہید کے منہ سے جو کچھ نکلا اسکی صداقت کی زمانہ گواہی دے رہا ہے۔ سلطان نے انگریز مکار کی فریب کاری کو محسوس کرتے ہوئے سب سے پہلے "ہندوستان ہندوستانیوں کیلئے ہے۔" کا نعرہ لگایا۔ اور سودیشی تحریک اور تحریک ترک موالات کو جنم دیا تاکہ ہند کے باسی اپنی اہمیت کو محسوس کریں اور عیار دشمن سے کسی قسم کا بھی رابطہ قائم نہ کریں۔ اس سلسلہ میں وہ اتنا حساس تھا کہ اپنے دسترخوان پر غیروں کا نمک بھی گوارا نہ کرتا۔ (ماڈرن میسور ص ۳۱۰)

رعایا کو سخت تاکید کر دی کہ کرناٹک (انگریزی علاقہ) سے آنے والی چیزوں کو ہاتھ تک

ذرا آگے بڑھ کر آں شہید کا ایک خط بنام خواجہ اعتمادی ملاحظہ فرمائیں:
نہ لگائیں۔ (ایضاً ص۱۷۶) ———
"تمہاری مرسلہ فہرست ادویات میں چند ایسے عطریات کے نام مندرج پائے
گئے ہیں جو یورپین ملکوں کی پیداوار ہیں۔ لہٰذا حکیم محمد بیگ سے مشورہ کر کے ان
کی بجائے یونانی ادویات تجویز کریں۔ ۲۱ دسمبر ۱۷۸۵ء (صحیفہ ٹیپو ص۲۷۶)
اسی خط کی روشنی میں اور سلطان کے بلند کردار کے پیش نظر میتھک سوسائٹی جنرل اکتوبر ۱۹۱۹ء ص۳۵
پر سابق دیوان میسور سردار کنت راج ارس نے لکھا کہ:
"جس تحریک کو آج سودیشی تحریک کہا جاتا ہے اسکی بنیاد ٹیپو سلطان ہی نے ڈالی
تھی اور اس سے مقصد اپنے ملک کو غیروں کی محتاجی سے بچانا تھا" صحیفہ ص۲۷۷
لیکن افسوس کہ اہل ملک غیر کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے کا شاید تہیہ کر چکے تھے کہ کسی نے بھی
اس کے مقصد کو نہ سمجھا۔ فیا حسرتا۔ چونکہ ابھی تک غلامی کا خمار چڑھا ہوا ہے اس لئے اب بھی
عقل و ہوش سے کام نہیں لیا جا رہا۔ خواب سے بیدار ہونے کے بعد جب نگاہیں حقائق تک پہنچیں
گی تو پھر سلطانی احکام و فرامین کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوگا۔
ٹیپو نے انگریزی پالیسی "ڈیوائڈ اینڈ رول" کو محسوس کر لیا تھا، جبھی تو اس نے تمام ہندوستان
کے حکمرانوں جن میں نظام حیدر آباد، مرہٹے، راجپوت، سکھ اور گورکھا تک شامل تھے (ماڈرن میسور)
کو بار بار دعوت دی کہ مشترکہ اور بیرونی دشمن کا مقابلہ باہمی اتحاد سے ہی موزوں رہے گا۔ لیکن باقی
کو تو چھوڑیئے کہ انہوں نے کیا سلوک کیا نظام جیسے مسلمان نے اپنی مسلمانی کا یوں ثبوت دیا کہ
میر عالم کو کلکتہ بھیجا تاکہ گورنر جنرل کو سلطان سے لڑائی پہ آمادہ کرے۔ (نشان حیدری)
حقیقت یہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں صرف ٹیپو ہی کو اپنے راستے کا کانٹا سمجھ
تھے۔ اگر دوسرے لوگ اس کے ساتھ تعاون کرتے تو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ملاحظہ
فرمائیں انگریزی اعترافات کہ اصل میں خارج ٹیپو ہی ہے۔
"ہماری فوجی طاقت ایسی ہے کہ موقع دیکھ کر ہم آسانی سے پورے ہندوستان پر
قابض ہو سکتے ہیں، لیکن ٹیپو کی طاقت اس میں خارج ہے اگر سرنگاپٹم پر قبضہ ہو گیا
تو تمام معاملات آسان ہو جائیں گے لیکن اس کے لئے ایک سکیم تیار کرنی پڑیگی"
(سرٹی منرو کا فرمان مندرجہ ایمپائر ان ایشیا از میجر ٹارنس ص۱۷۰)
بورنگ نے اپنی کتاب "حیدر علی و ٹیپو سلطان" کے ص۱۵۰ پر اعتراف کیا:
"یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ٹیپو نے ان جنگوں میں جو تدابیر اختیار کیں اور جنگی چالیں

ں انگریزی جنرل ان کے جواب سے قاصر تھے۔"
میدانِ رزم میں مقابلہ نہ ہوسکا تو فریب کاری سے مزوّ والی سکیم تیار کی اور اسطرح اس
ک گراں کو راستہ سے ہٹایا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔
ایک اور انگریزی مورخ دو لفظی رائے دیتا تھا اور بالکل صیحح کہ: "ہندوستان میں انگریزوں
راہ میں ٹیپو ہی ایک سنگِ گراں تھا۔"
۱۷۹۹ء میں ٹیپو شہید ہوا۔ ۱۸۰۰ء میں ارکاٹ، تنجاور اور اودھ کی حکومتیں ختم ہوئیں۔
۱۸۰۱ء میں نظام کی آزادی کا خاتمہ ہوا۔ ۱۸۰۲ء میں مرہٹے ٹھنڈے ہو گئے۔ (بٹسن ص۲۱۵) اور
۱۸۰۳ء میں عملاً دہلی پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا ــــ اور نقشہ کو دیکھنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ
واقعی حارج ٹیپو ہی تھا۔ اس کا مقابلہ مشکل تھا وہ سنگِ گراں تھا۔
حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں پورا برّصغیر بالخصوص سلطنت خداداد اپنی خوشحالی میں
ضرب المثل تھی۔ لیکن مٹھی بھر نمک حراموں کی بے غیرتی اور قوم فروشی کی وجہ سے وہ بہاریں ایسی روٹھیں
کہ واپسی کا نام تک نہیں لیتیں۔
شہادت سے چند لمحات پہلے ٹیپو کے منہ سے نکلے ہوئے وہ جملے پھر دیکھیں تاکہ
پتہ چلے کہ وہ خوشحالی و فارغ البالی کیوں عنقا ہے:
"اس غدّاری اور بے وفائی کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہو گا جب تم اور تمہاری
نسلیں ایک ایک، دانہ چاول کو ترسیں گی۔ اور دنیا میں نہائت ذلّت و نکبت
سے زندگی بسر کریں گی۔"
ہاں تو سلطنت خداداد کے متعلق چند جملے انگریزی قلم سے نکلے ہوئے ملاحظہ فرمالیں اس
لئے کہ والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔
"ٹیپو کے زیرِ حکمرانی میسور تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اس
کے باشندے سب سے زیادہ خوشحال تھے۔" (میجر ٹارنس۔ ایمپائر ان ایشیاء ص۲۱۰)
"جب ہم اس (ٹیپو) کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی
ترقی کیوجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں۔ رعایا اپنے
کاموں میں مصروف و منہمک ہے۔ زمین کا کوئی حصّہ بھی بنجر نظر نہیں آیا۔ قابلِ کاشت
زمین جسقدر بھی مل سکتی ہے۔ اس پہ کھیتیاں لہرا رہی ہیں۔ ایک انچ زمین بھی بیکار

نہیں تھی۔ رعایا اور فوج کے دل میں بادشاہ کا احترام اور محبت اتم درجہ موجود ہے۔ فوج کی تنظیم اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ یورپ کے کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں۔" (سفرنامہ ٹل)

اور اس خوشحالی کا اصل سبب یہ تھا کہ مرحوم نے زمینداری سسٹم کی لعنت کو ختم کر کے شرعی طریق سے زمین تقسیم کر دی تھی۔ (ماڈرن میسور)

اپنی ان گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے ٹیپو اتنا ہر دلعزیز تھا کہ سرنگاپٹم کے باشندوں نے اپنی دولت انگریز کو پیش کرنا چاہی کہ وہ سلطنت ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ (مورخ سنکلیر)

لیکن انگریز کا اس مطالبہ پر آمادہ نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ سب سے بڑے کانٹے کو راستہ سے ہٹا کر اب اسکی اولاد کو موقعہ کون دیتا تھا؟ تاہم اس مرحلہ پر ایک سوال ہے کہ اس قدر جری، بہادر، خداترس، فقیر منش، غیور و ہر دلعزیز بادشاہ "تاریخی نوادرات" میں سب سے زیادہ بدنام کیوں ہے۔؟

انگریزی فکر کو سمجھنے والے لوگ تو بہر حال جانتے ہوں گے کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کا تقاضہ ہی یہ تھا کہ اقوام ہند کے درمیان نفرت و حقارت پیدا کرنے کیلئے انگریز مورخین مادر پدر آزاد قسم کی تاریخ مرتب کر کے شاہان ہند بالخصوص ٹیپو اور اورنگ زیب غازیوں کو خوب کوسیں، رہ گئے نام نہاد مسلم مؤرخین تو انہیں لارڈ میکالے نے جو جام پلایا تھا اس کے نشہ کے بعد کسی خیر کی توقع ہی عبث ہے کیونکہ — ع غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر۔

ہندی تاریخ کا سب سے بہتر تجزیہ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"پالٹیکس کے کھیل سے اس ملک کا علم تاریخ بھی بچا ہوا نہیں بلکہ صاف صاف کہنا چاہیئے کہ یہی وہ بیج ہے جس سے ہندوستان کا مشہور پھل "پھوٹ" پیدا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی اچھائی اور برائی کی بہت سی باتیں کہی جاسکتی تھیں۔ مگر ان کے بعد ملک میں جو حکومت آئی۔ اس کے زمانہ میں تعلیم کا سررشتہ پورا کا پورا غیر ملکیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ان لوگوں کے ہر جتھے کی ہر طرف سے یہ کوشش تھی کہ اپنے راج کی بڑائی کو ہر ہندوستانی کے دل میں بٹھا دے۔ اور ساتھ ہی ایک ایسا کرتب کرے، جس سے ان کے دل کے شیشے ٹوٹ کر پھر جڑنے نہ پائیں۔

تعلیم کے سارے مضمونوں میں اس کام کیلئے تاریخ کے سوا اور کوئی چیز مناسب نہ
تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس ملک کیلئے تاریخ کی جو کتابیں شروع سے آخر تک لکھیں
اور پڑھائیں ان میں یہی باتیں سو سو طرح الٹ پلٹ کر سمجھائیں اور پڑھائیں کہ جو دل ان
سے ٹوٹے تھے پھر اب تک جٹ نہ سکے۔" (معارف ص۵، اپریل ۱۹۴۵ء)

مرحوم سید صاحب کے اس تجزیہ کے بعد مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اسکی روشنی میں سلطانی خطوط کے انگریز مرتب کرک پیٹرک کے کردار کا جائزہ لیں کہ وہ بیک وقت سلطان کے متعلق کس قسم کے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

"ان مکاتیب کے پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں سلطان کی شخصیت کو قارئین کے قریب سے قریب تر لاؤں، اس کے سیاسی مالی اور تجارتی انتظام کو واضح کرتے ہوئے اس زمانہ کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالوں۔ یہاں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ سلطان نہ صرف سخت محنتی تھا بلکہ اپنے فرائض کا حد درجہ پابند بھی تھا۔۔۔۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ان کا مصنّف یعنی سلطان نہایت ہی منتظم اور غیر معمولی محنتی شخص تھا۔ اس کا ہر کام باقاعدہ تھا۔۔۔۔۔ سلطان اپنے منشیوں سے بہت کم کام لیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت زیادہ مکاتیب خاص اسکی تحریر میں ملتے ہیں۔۔۔۔ مختصر الفاظ میں مطالب کو ادا کرنا سلطان کا ایک خاص وصف ہے۔۔۔۔ ان مکاتیب کے آئینہ میں بیک وقت اگر ان کے مصنّف کی غیر معمولی ذہانت، اختراعی قوت، جوہر قابلیت اور انتظامی صلاحیت نظر آتی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ ایک بے رحم اور بے درد دشمن، ایک غیر رواداد متعصب، ایک سفاک و بے انصاف حاکم، ایک شوریدہ سر ظالم، ایک ریاکار سازشی، ایک خونخوار و بے مہر فرمانروا، ایک سبک سر و تلون مزاج حاسد ایک ہلکی اور جزرس طبیعت کا کفایت شعار ایک بساطی اور خردہ فروش تاجر بھی تھا۔"

آپ اندازہ فرمائیں کہ گوری چمڑی والے مکار و کمینہ صفت دشمن نے سلطان شہید جیسے صاحب تقویٰ و ورع، خود دار و غیور اور بے تعصب و رواداری کے مظہر اتم کے متعلق ایک ہی سانس میں کتنی متضاد باتیں کہہ دی ہیں۔ ابتدائی پیراگراف تو حقیقت کا اظہار ہیں جبکہ آخری جملے مخصوص مقاصد

کو پورا کرنے کیلئے لکھنے ضروری تھے آخر سلطان سب سے بڑا انگریز دشمن جو تھا۔
کرک پیٹرک کا یہ لکھنا خالی از وجہ نہیں سلطان نے — "گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر
کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے" — کا نعرہ رستا خیز بلند کیا اور جب تک اس کی روح قفس عنصری
سے پرواز نہ کر گئی اس نے بقالانِ یورپ کو سکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ بلکہ تاریخ سلطنت خداداد
کے مصنّف کی شہادت ہے کہ جب سلطان شہید ہو کر گرا تو اسکی آنکھیں کھلی تھیں، لبوں پر مسکراہٹ
تھی۔ تلوار کے دستے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ اور جسم اس قدر گرم تھا کہ لارڈ ولزلی کو شبہ
ہوا کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔ نبض دیکھی تب اسے اطمینان ہوا، اور جنرل ہیرس فرطِ مسرت سے
پکار اٹھا — "آج ہندوستان ہمارا ہے"

اس کردار کے مالک انسان کے متعلق کرک پیٹرک اتنا بھی نہ لکھے —؟ اور ایک کرک پیٹرک
ہی نہیں پوری دنیاء نصرانیت کا یہی عالم ہے۔ کہ انہیں رات کو خواب میں بھی اس شیر دل انسان کی
شبیہ دکھائی دیتی ہے۔ اور انہوں نے اس کو جی بھر کر کوسنا اپنا محبوب مشغلہ بنا رکھا ہے۔ انگریزی
دنیا کی بے قراری و بے چینی کا حال کپتان ٹل سے پوچھیں:

"گزشتہ چند سالوں سے انگریزی زبان کے ان تمام الفاظ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر
نکالا جا رہا ہے جس سے ٹیپو کو بدنام کیا جا سکے۔ لغات میں ذلیل سے ذلیل الفاظ
سلطان کی مذمت کی غرض سے تلاش کر کے نکالے جا رہے ہیں، باوجود اس کے
بہت سے لوگوں کو رنج ہے کہ زبان میں اس قدر وسعت نہیں کہ ٹیپو سلطان
کو دل بھر کر گالیاں دی جائیں، اس لئے یہ لوگ نئی اصطلاحات وضع کرنے میں
لگے ہوئے ہیں"
(سفرنامہ ٹل از ایڈورڈ مور و ماڈرن میسور صفحہ ۲۲۰)

دیکھا اس فدائے وطن، غازیٔ اسلام اور مجاہد فی سبیل اللہ کے متعلق انگریز دنیا کس انداز سے سوچتی ہے
لیکن اگر یہ سب کچھ انگریز کے قلم سے نکلتا تو چپ سادھ لیتے۔ جب میکالے کے معنوی فرزند ا
ولائتی مرغی کے دیسی بچے اس قسم کی حرکات کرتے ہیں اور مجاہدین حریت و کشتگان تسلیم و رضا کو
ہیں، تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔

سلطان کی بے تعصبی، رعایا پروری، رواداری اور اس قسم کی دوسری پاکیزہ صفات پر صفح
دفاتر مرتب ہو سکتے ہیں، لیکن محبت امروزہ میں چند خطوط سلطانی پیش خدمت ہیں اس لئے کہ خط
انسانی جذبات کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔

میسور کی تیسری جنگ میں انگریزوں، مرہٹوں اور نظام نے اتحاد ثلاثہ کے تحت سلطنت سل

پر فوج کشی کر کے انتہائی تباہی مچائی حتیٰ کہ سرنگیری کا مندر بھی نہ بچا۔ گرو جی نے سلطان کو اطلاع دی تو سلطان نے جواباً لکھا:

"ہم ان دشمنوں کو سزا دے رہے ہیں جو ہمارے ملک پر چڑھائی کر کے ہماری رعایا کو ستا رہے ہیں۔ آپ کی ذات تقدس مآب (اپنے حلقہ کیلئے) اور تارک الدنیا ہے۔ اس لئے یہ آپ کا اور مندر کے دوسرے برہمنوں کا فرض ہے کہ ملک کے دشمنوں کی تباہی کے لئے خدا سے دعا کریں کہ ہمارا ملک محفوظ اور ہماری رعایا خوش و خرم رہے۔"
(صحیفہ ٹیپو صے)

اس اطلاع پر کہ ظالم مندر میں گھس آئے برہمنوں کو قتل اور زخمی کیا اور گرو جی مجبوراً دوسری جگہ اقامت پذیر ہیں سلطان نے لکھا:

"ان لوگوں کو جو مقدس مقامات کی بے حرمتی سے باز نہیں آتے یقین ہے کہ اس کلجگ میں انہیں بہت جلد اپنے کرتوتوں کا خمیازہ ملے گا۔ لوگ، بدی کا کام ہنستے ہوئے کرتے ہیں لیکن خمیازہ روتے ہوئے بھگتیں گے۔" (ایضاً ص۹)

ساتھ ہی سلطان نے نگر کے آصف کو لکھا کہ دو سو اشرفی نقد اور اتنے ہی کا اناج گرو جی کو دیدے۔ مزید گرو جی کو لکھا:

"انعامی دیہات میں حسب خواہش اشیاء فراہم کریں۔ ساروا دیوی کے بت کو نصب کریں۔ برہمنوں کو کھانا کھلائیں۔ اور ہمارے دشمنوں کی تباہی کی دعا کریں۔" ص۹

اور جب گرو جی نے پوجا کی دو خاص رسمیں ادا کرنے کیلئے سلطان سے مالی مدد مانگی تو سلطان نے آصف نگر کو لکھا کہ سرنگیری جا کر انتظامات میں سوامی جی کا ہاتھ بٹائیں۔ اور سوامی جی کو اطلاع دی کہ:

"آپ کی حسب مرضی پوجا کے دنوں میں روزانہ ایک ہزار برہمنوں کو کھانا کھلانے اور نقدی دینے کے متعلق آصف نگر کو حکم بھیج دیا ہے۔" ص۸

نگر کے آصف کو مزید لکھا کہ:

"انتظامات مکمل ہوں، شر پسندوں کو مداخلت سے روکیں، پیادہ فوج متعین کریں تاکہ مخصوص رسوم دلجمعی سے ادا ہوں۔" ص۱۸

۱۷۹۸ء میں سوامی جی کی اس اطلاع پر کہ وہ پونا سے واپس آنے والے ہیں، سلطان نے ماتحت حکام کو گشتی مراسلہ کے ذریعہ حکم دیا کہ:

"راستے میں سوامی جی کی تمام ضروریات فراہم کی جائیں، نیز ان کے تمام اعزاز و مراتب

کا خیال رکھا جائے۔" (ص ۸۳)

اس کے بعد بھی اسے متعصب، بے درد دشمن، جبراً مسلمان بنانیوالا وغیرہ کے القابات سے یاد کرنا بدباطن انگریز مورخین کا ہی کام ہے۔ اور یا پھر ننگ اسلامیت ناعاقبت اندیش مسلم مورخین کا جو غلامی کی رو میں بہہ کر سرمایۂ حیات سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ اتمام حجت کی غرض سے شہادت اعداء بھی ملاحظہ فرمالیں ۔ متھک سوسائٹی جنرل اکتوبر ۱۹۱۹ء میں میجر کیمبل نے لکھا کہ :

"گو ٹیپو کی زندگی کا مقصد اسلام کی حفاظت، اسکی ترقی اور سنّی عقائد کی اشاعت رہا ہے۔ مگر اس نے کبھی ہندوؤں کے مندروں سے تعارض نہیں کیا۔ اس معاملہ میں وہ اپنے باپ کی پالیسی پر پوری طرح عمل پیرا رہا۔ ص ۱۹

متحدہ ہندوستان کے عظیم لیڈر مسٹر گاندھی نے لکھا ہے کہ :

"اس عظیم المرتبت سلطان کا وزیر اعظم ایک ہندو تھا جس نے نہایت شرم سے کہنا پڑتا ہے کہ اس فدائے آزادی کو دغا دیکر دشمنوں کے ہاتھ میں دیدیا۔ (ینگ انڈیا)

گاندھی جی نے پورنیا کا رونا رویا ہے لیکن اس پر کیا گلہ۔؟ گلہ تو صادق جیسے مسلمانوں پر ہے جنہوں نے۔ ع "قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند" کا ریکارڈ قائم کیا۔

اقبالؒ نے سچ کہا ؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن ننگ ملّت ننگ دین ننگ وطن

گاندھی جی ہی کی ایک اور زبردست شہادت ان کے اخبار ینگ انڈیا کے حوالہ سے ملاحظہ فرمائیں۔ اس شہادت کا حوالہ شاعر مشرق اقبال مرحوم نے بھی اپنے ایک مضمون میں دیا تھا۔ جو لاہور کے مرحوم روزنامہ انقلاب میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔

"ٹیپو سلطان میسور کا مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے اٹھارویں صدی کے آخر میں انگریزوں سے سخت جنگ کی تھی، اگر اس وقت نظام حیدرآباد اور مرہٹے انگریزوں سے نہ مل جاتے تو سلطان انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیتا۔ یہ بادشاہ بہت بہادر تھا۔ اس نے ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کیلئے فرانس کے مشہور بہادر نپولین بوناپارٹ اعظم سے بھی بات چیت کی تھی۔ یہ بادشاہ جسقدر بہادر تھا اس قدر خداترس اور بے تعصب! اسکی نگاہیں ہندو اور مسلمان دونوں پر برابر تھیں۔ کسی مذہب سے وہ تعرض نہیں کرتا تھا"

ایسے انسان کے حضور بے ساختہ اقبالؒ کے الفاظ میں یوں خراج عقیدت پیش کرنے کو جی چاہتا ہے ؎

آں شہیدانِ محبت را امام آبروئے ہند و چین و روم و شام
نامش از خورشید و مہ تابندہ تر
خاک قبرش از من و تو زندہ تر
عشق رازے بود بر صحرا نہاد تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد
از نگاہ خواجہ بدر و حنین
فقر سلطان وارث جذب حسین
رفت سلطان زیں سرائے ہفت روز نوبت او در دکن باقی ہنوز

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے چند فارسی اشعار کا ترجمہ عرض کر دیا جائے جس سے اسکی دینداری، خداخوفی اور اعتراف عجز کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ اشعار بیاضِ سلطانی کے مرتب انگریز نے نقل کئے انگریزی ترجمہ کو ہی اردو کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ کوشش بسیار کے باوجود اصل متن نہ ملا۔

۱۔ اے میری روح اگر تجھے خدا کی تلاش ہے تو تو بھی دل کی طرح اسکی پرستار بن جا ورنہ کعبے اور بتکدے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲۔ چھوٹے اور بڑے دونوں تعریف سے قاصر ہیں۔ تیسرے در کی دربانی دونوں جہان کی دولت سے بڑھ کر ہے۔ تو ہی ہے جو مرض کو دور کرتا ہے اور صحت بخشتا ہے۔ اے مالک اپنے کرم سے میرے مرض کو دور کر اور مجھے شفا عطا کر۔

۳۔ میں سر تا پا گناہوں سے بھرا ہوا ہوں اور تو دریائے رحم ہے۔ تیری رحمت بے پایاں کے آگے میرے گناہوں کی کیا حقیقت ہے۔؟

وہ عظیم انسان اپنوں کی بے وفائیوں کے سبب صرف ۴۸ سال کی عمر میں ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو اپنے اللہ سے جا ملا اور سرزمینِ ہند و پاک نے اس سے جو توقعات وابستہ کر رکھی تھیں وہ دھری کی دھری رہ گئیں۔

؏ ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد ۱۲۱۳ھ تاریخ وفات ہے۔

پونے دو صدی کے قریب کا عرصہ بیت گیا جب اس فدائے وطن اور غازی اسلام کی بیقرار

روح رفیق اعلیٰ سے جاملی اور اس کے جسدِ خاکی کو سرنگا پٹم کے قلعہ میں دفنا دیا گیا۔
اتنا عرصہ گذرنے کے باوجود اسکی مضطرب و بے چین روح قلعہ سرنگا پٹم کے جھروکوں سے تاک کر قعرِ مذلت میں گرے ہوئے مسلمان کو پکار رہی ہے کہ اُٹھ اور کمرِ ہمت باندھ!
شاعرِ مشرق اقبالؒ نے برزخی ملاقات کے بعد اس نصیحت کو شعری جامہ پہنایا، اور یہی ہمارا حرفِ آخر ہے ۔

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول — لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز — ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنمکدہ کائنات میں — محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے — جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے — شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اللہ رب العزت اس مردِ قلندر کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔
ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد